مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

قسط نمبر: ۷

ایک دن ہمارے مورچے پہ
آئی ایک گولی اڑتی ہوئی
اور جان لے گئی میرے ایک سپاہی کی
اس کی موت کے غم نے
میرے دل کو ڈبو دیا جیسے۔
میں نے کھودا اس جگہ کو
جہاں گرا تھا وہ
اور ڈھونڈا اس ٹکڑے کو
جو نہ تھا میرے انگوٹھے سے بڑا
گرم دھات سے بنا گولی کا ایک خول۔
میں نے پگھلایا اس کو اور بنایا ایک سانچا
اور اس میں ڈالا ابلتے خول کو
اور ڈھال دیا اس کو ایک انگوٹھی کی صورت میں۔
اور جب میری انگوٹھی ہو گئی ٹھنڈی اور ہموار
میں نے ایک الجیرین سپاہی سے
لکھوایا یہ لفظ اس پر عربی میں

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''مکتوب۔''

یعنی ... یہ لکھا جا چکا تھا۔

کیونکہ تقدیر کی کتاب میں

جس کے صفحے ہیں زمان

اور سرورق ہے مکاں۔

اس کتاب میں سب پہلے سے درج شدہ ہے۔

جس دن تم اپنا وجود کھو دو گے'

وہ گھڑی' وہ جگہ' وہ وجہ

سب اس کتاب میں نشان زدہ ہے۔

اور تمہیں نہ خیال سے نہ عقل سے

اس تقدیر کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بس ڈر کو دل سے بھگانا سیکھ لو۔

اگر ایک دن مرنا ہی ہے

تو جان لو اے انسان

کہ یہ حصہ ہے ایک بڑے مکتوب منصوبے کا

جس سے تم بچ نہیں سکتے۔

سو تم ایسے مرو کہ جیسے تمہارا جنازہ

تمہیں ان شاہانہ دروازوں کی طرف لے گیا ہے

جن کے اس پار منتظر ہیں

بہت سے عظیم لوگ۔

فرق بس اتنا ہے کہ وہ تمہارا استقبال کرتے ہیں

یا ملامت سے تمہیں خود سے الگ کر دیتے ہیں۔

ساری بات اتنی سی ہے کہ

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

تم آقا بن کے جاتے ہو اس دنیا میں

یا غلام بن کے۔

اس لیے جب جنگ میں حکم آتا ہے کہ حملہ کرو

اور دل کانپتا ہے یاد کر کے

زندگی کے پر لطف ماہ سال

تو اس جنگی شور اور افراتفری میں

کچھ سپاہی دھیان بٹانے کو

صاف کرتے ہیں اپنی بندوقیں

کچھ گنگناتے ہیں جنگی نغمے

اور کچھ اپنی سرنگیں کھودتے جاتے ہیں۔

ایسے میں

میں دیکھتا ہوں اپنی انگوٹھی کو

اور میرے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

اور موت کا فرشتہ خاموشی سے قریب آجاتا ہے

اور میں سوچتا ہوں اس دوسری دنیا کے بارے میں

ان شاہانہ دروازوں کے بارے میں

اور اس شور میں یہ خیال

کسی مرہم کی طرح راحت لے آتا ہے۔

میرے دل کی پھڑ پھڑاہٹ

خاموش ہو جاتی ہے۔

اور ہر طرف چھا جاتا ہے

ہتھیار ڈالنے کا احساس۔

سکینت۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

اور مشرق کی دانائی۔

(ایلن سیگر کی نظم مکتوب سے اقتباس)

''اس نے زیاد سے شادی سے انکار کر دیا ہے؟'' وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ نیم اندھیرا اپارٹمنٹ میں کھڑکی کے ساتھ کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اطراف کو خوشبودار موم بتی کی خوشبو نے معطر کر رکھا تھا۔

''آپ کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے؟'' ماہی چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں گرائے بغور اسے دیکھے گئی۔

ماہر نے غائب دماغی سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر اس کی نگاہوں کے احساس سے چونکا۔ سنبھل کے سر جھٹک دیا۔

''مجھے پرسوں استنبول واپس پہنچنا ہے۔'' لہجے کو سرسری بنا لیا۔ ''کچھ دن تک تم سے ملنے آؤں گا۔''

''اتنی دور آ کے کیا کریں گے؟ جو پوچھنا تھا وڈیو چیٹ پہ پوچھ لیا۔ میں آپ کی بہن کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

ماہر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔ پھر ناخنوں سے بڑھی شیو مسلی۔ اس کے انداز میں اضطراب تھا۔

''تم سے ملے بغیر میری تسلی نہیں ہو گی۔''

ماہی نے ترحم سے اسے دیکھا۔ یہ ایک ایسے شخص کا چہرہ تھا جو اپنی بہن کے زندہ ہونے کی امید کھونا نہیں چاہتا تھا۔ یقیناً وہ مر چکی تھی اور وہ denial (جھٹلانے کی نفسیاتی کیفیت) میں تھا۔

''کیا آپ نے کبھی اس سرکار کو دیکھا ہے؟'' اس کا نام لینا بھی عجیب لگ رہا تھا۔

ماہر نے نفی میں گردن دائیں بائیں ہلائی۔

''مالا نے دیکھا ہے۔''

وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ سانس تک رک گیا۔

''مالا نے کچھ روز قبل خواب میں ایک بوڑھا جادوگر دیکھا ہے جس کے سر پہ نارنجی رومال بندھا تھا اور وہ مالا اور زیاد کی تصاویر پہ جادو کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ان کا رشتہ ختم کروانا چاہتا ہے۔ اور دیکھیں ہو بھی گیا۔''

''کیا مالا نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟'' ماہر اب سامنے جلتی موم بتی کے شعلے کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔

''ہاں۔وہ اس چہرے کو جانتی ہے۔بس شناخت نہیں کر پا رہی۔''

''اپنی بہن سے کہو اس آدمی کا اسکیچ بنائے۔پھر وہ اسکیچ مجھے دو۔ہم اس اسکیچ سے اس کو ڈھونڈیں گے۔کیا معلوم میں اسے پہچان لوں۔شاید ہمارے راستے کبھی ٹکرائے ہوں۔شاید وہ میرے قریب ہو۔یاد ہے مجھے کشمالہ کی تصویر سرکار کے البم سے ملی تھی۔''

''آپ کو وہ البم کیسے ملا تھا؟''اسکرین پہ نظر آتی ماہی آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

ماہر کچھ کہنے لگا'پھر رک گیا۔

''بس اتنا جان لو کہ وہ آدمی میرا دشمن ہے۔اس کو میرے سوتیلے باپ نے میرے خلاف ہائر کیا تھا۔میں اس تک کبھی پہنچ نہیں سکا البتہ میرے ہاتھ اس کی کچھ چیزیں لگی تھیں۔ان میں یہ البم بھی تھا۔وہ ایک لمبے عرصے سے کشمالہ کے پیچھے پڑا ہے۔کیوں؟میں نہیں جانتا۔''اس نے شانے اچکائے۔

''شاید اس کی تمہارے خاندان سے کوئی ذاتی دشمنی ہو۔''

''ہم کون سا نیوکلیئر بم بنا رہے ہیں جو ہمارے اتنے دشمن ہوں گے۔''وہ برا مان گئی۔''ایک کبیرہ تائی ہی ہیں ہماری دشمن۔''پھر ایک دم اسے خیال آیا۔وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''آپ کے کہنے پہ پیٹر میسح نے کبیرہ تائی کا مزید کام کرنے سے انکار کر دیا تھا نا۔''

''ہاں۔لیکن وہ کسی اور عامل کو ہائر کر چکی ہوں گی۔''

''ہو سکتا ہے وہ نیا عامل سرکار ہی ہو۔وہی سرکار جو کسی وجہ سے برسوں سے مالا کے پیچھے لگا ہو۔اتفاق سے اب اس کی نئی کلائنٹ کبیرہ بیگم بھی مالا اور ماں کی تصویر لے کر اس کے پاس آ گئی ہوں۔''ماہی چمکتی آنکھوں سے تیز تیز کہہ رہی تھی۔

ماہر چند لمحے کا موشی سے اسے دیکھتا رہا۔پھر کھنکھارا۔

''تم جاب وغیرہ نہیں کرتیں؟سارا دن گھر بیٹھ کے یہی اسٹار پلس سوچتی رہتی ہو؟''

ماہی کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ابرو بھنچ گئے۔

''ماہی کے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔میں بتا رہی ہوں کبیرہ تائی کا نیا عامل یہی سرکار ہو گا۔وہی چاہتی ہیں کہ مالا اور زیاد کی شادی نہ ہو تا کہ ان کی بیٹی سے زیاد کی شادی ہو جائے۔''

ماہر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور بولا تو آواز میں اکتاہٹ تھی۔

''کیا بچگانہ باتیں کرتی ہو تم۔ ایسے اتفاق کہاں ہوتے ہیں۔ اور یہ عامل صرف اپنی طاقت بڑھانے کے لیے بھی کسی پہ جادو کرتے ہیں۔ ان کے جنات...''

''ایک منٹ ایک منٹ۔ جنات کی باتیں نہ کریں۔ مجھے رات کو لائٹ آن کر کے سونا پڑتا ہے۔''

ماہی نے ہاتھ اکٹھے کر کے اسے دکھائے۔ وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ سارے دن میں وہ پہلی دفعہ ہنسا تھا۔

''تم ڈرتی ہو ان چیزوں سے؟''

''آپ بھی ڈرتے تھے جب ہم آخری دفعہ ملے تھے۔'' وہ برا مان کے بولی۔ وہ اپنی اور ماہر فرید کی دوسری ملاقات کی بات کر رہی تھی۔ ''اب آپ بدل گئے ہیں۔ تب آپ خوفزدہ تھے۔'' پھر غور سے اس کا چہرہ اسکرین پہ دیکھا۔ ''آنکھوں تلے حلقے تھے۔ اور آپ کی گلابی اردو میں بہت گاڑھا انگریزی لہجہ تھا۔ ہاتھ میں سگار ہوتا تھا۔ آپ کوئی دوا بھی کھاتے تھے۔ مجھے یاد ہے۔ پھر یہ تبدیلی کیسے آئی؟ آپ نے اپنا لہجہ' اپنے خوف اور اپنے سگار کہاں کھوئے؟''

''بس کھو دیے۔'' وہ مدھم سا مسکرایا۔ ''یہ میرے حصے کی کہانی ہے۔ تم سے مل کے سناؤں گا۔ تم اس آدمی کا اسکیچ حاصل کر کے مجھے بھیجو۔''

''مگر...'' وہ کچھ کہنے لگی تھی لیکن ماہر نے بٹن دبا کے کال کاٹ دی۔ وہ مزید بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

فوراً سے فون بجنے لگا۔ بیربل کا نام جگمگا رہا تھا۔ اب اس کی بک بک سنو۔

''پیسے ختم ہو گئے؟'' اس نے آڈیو کال کا اسپیکر آن کر دیا۔ اسے بیربل کی تقریر یاد تھی۔

''کیا میں اپنے بھائی کو پیسوں کے علاوہ فون نہیں کر سکتا؟''

''نہیں۔''

بیربل آگے سے ہنس دیا۔ ''لگتا ہے باغبان لڑکی نے دروازہ دکھا دیا ہے۔''

''صرف مجھے نہیں۔ اس ٹال اور ڈارک کو بھی۔'' اس کی نظریں کینڈل کے شعلے پہ جمی تھیں۔

''وائی بے۔ چلو وہ تو راستے سے ہٹا۔'' بیربل کی آواز میں جوش در آیا۔ ''تم پیچھے مت ہٹنا۔ دوبارہ جاؤ اس کے پاس۔ پھر سے معافی مانگو۔''

''میں اس آدمی سے مشورے نہیں لیتا جو صرف کیکس بناتا ہے۔ اپنی بیکری پہ دھیان دو۔''

اس نے فون آف کر دیا۔ اب وہ تنہا تھا۔ نیم اندھیرا اپارٹمنٹ تھا۔ اسٹرابری کی خوشبو تھی اور ایک ٹمٹماتا ہوا شعلہ۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

دوسری جانب فون کاٹ دینے پہ بیربل فرید نے برا سا منہ بنا کے موبائل کو دیکھا۔ ''وہ آدمی جو صرف کیکس بناتا ہے۔ ہونہہ۔ مشین۔'' آواز بھاری کر کے نقل اتاری اور سر جھٹک دیا۔

وہ اس وقت اپنے گھر کے سیاہ سفید لونگ روم میں بڑے صوفے پہ ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا تھا۔ جوتے بے پرواہی سے کارپٹ پہ رکھے تھے۔

''کیا کروں؟'' وہ موبائل لبوں پہ رکھے سوچنے لگا۔ دفعتاً آنکھیں چمکیں۔

''شبنم!'' کال ملاتے ہی وہ چہکا۔

''بات مت کرو مجھ سے۔ اپنی بیکری پہ نیا ڈیزرٹ لانچ کیا ہے اور مجھے نہیں کھلایا؟''

''تمہارا معدہ صرف قبر کی مٹی سے بھرے گا۔'' وہ بھی جواباً خفا ہوا۔ پھر اونہوں کر کے سر جھٹکا۔ ''ماہر اپنے دوستوں میں سب سے زیادہ کس کے قریب ہے؟''

''زارا۔''

بیربل نے موبائل کان سے ہٹا کے اسے گھورا۔

''اللہ کا خوف کرو۔ کسی مرد کا بتاؤ۔'' (منہ بگاڑ کے نقل اتاری۔ زارا۔ ہونہہ)

''ماہر کے بہت سے دوست ہیں۔ یونیورسٹی کے۔ بزنس کے۔ سفر کے۔'' وہ واقعی مصروف لگ رہی تھی۔ ''اور ہر وقت انسان کے دوست ایک جیسے نہیں رہتے۔ کچھ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کچھ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ دوست وہی ہوتا ہے جو ہمارے موجودہ حال کو سمجھتا ہو۔ جس سے ہم آج کے دن بات کر سکیں۔''

''ہوں۔ ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھو۔''

''ناشتے میں کوئی فلسفے کی کتاب تو نہیں کھائی تھی؟''

''میں فون رکھ رہی ہوں بیربل۔'' وہ غرائی۔

''اچھا اچھا ایک منٹ۔'' جلدی سے لہجے کو خوش آمدی بنایا۔ ''ماہر کا ایسا کون سا دوست ہے جو اسے درست مشورہ دے سکے؟''

''ڈاکٹر کنعان۔''

شبنم نے سوچنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں لیا۔ لیکن بیربل کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔

''جو اسے درست مشورہ دے اور ماہر اس کی بات مان لے...''

''اچھا پھر آرکیٹیکٹ انیس۔ وہ اس کے مشورے مان لیتا ہے۔''

''جو اسے درست مشورہ دے' ماہر اس کی بات مان لے.... اور...'' اس نے بال کھجائے۔ ''اور اس کو ماہر کی ذاتی زندگی میں انوالوڈ کرنے پہ وہ میرے کریڈٹ کارڈز کینسل نہ کر دے۔''

شبنم نے گہری سانس لی۔

''ایسا دوست تو صرف چنگیز ہے۔ پولیس کمشنر۔ وہ اس سے مہینے میں ایک دفعہ ضرور ملتا ہے۔ وہ ہلال کے بارے میں بھی سب جانتا ہے۔''

''آف کورس۔'' بیربل نے ماتھے کو چھوا۔ ''مجھے پہلے کیوں خیال نہیں آیا۔''

''میرا ڈیزرٹ صبح مجھے آفس بھجوا دینا' اور....''

''بائی بائی۔'' اس نے مسکرا کے سنے بغیر فون رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لونگ روم میں ٹہل ٹہل کے فون پہ چنگیز سے بات کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ان میں بہت سی شرارت چھپی تھی۔ بات مکمل کر کے وہ فون پہ میسجز دیکھتے ہوئے آتش دان کے پاس رکھی ونگ چیئر تک گیا اور ایک پہ مزے سے ڈھیر ہو گیا۔ پیر اوتومن اسٹول پہ رکھ لیے۔ وہ بہت آرام دہ تھی۔

کچن میں کام کرتی فیضی حانم نے پلٹ کے اسے گھورا۔

''بیربل بے۔''

لیکن وہ ڈھٹائی سے مسکراتا رہا۔

''ماہر بے نہیں دیکھ رہے۔'' پھر ونگ چیئر کے بازو تھپتھپائے۔ ''پتہ نہیں ماہر اتنی آرام دہ چیئر پہ بیٹھنے سے منع کیوں کرتا ہے۔''

''اس نے تمہیں نہیں بتایا؟'' وہ پلٹ کے حیرت سے پوچھنے لگیں۔ بیربل نے چونک کے انہیں دیکھا۔ پھر گردن دائیں بائیں ہلی۔

''وہ ہر دفعہ ٹال دیتا ہے۔ میں خود بھی نہیں پوچھتا۔ وہ تھوڑا (کنپٹی پہ انگلی سے اشارہ کیا) سائیکو ہے نا۔''

''دراصل جب ماہر نے استنبول میں یہ اپارٹمنٹ لیا تھا تو اس سے پہلے سے یہاں رہتے تھے۔''

''کون؟''

''ایک بیوہ جنٹی اپنے دو بچوں کے ساتھ یہاں رہتی ہے۔ وہ ماہر کو شروع میں تنگ کرتے تھے۔ پھر اس نے ان کے ساتھ ڈیل کر لی کہ وہ انہیں اس ونگ چیئر کے پیچھے رہنے دے گا اور گھر میں موسیقی نہیں چلائے گا۔ اور جواباً وہ اس کو کام کرتے وقت ڈسٹرب نہیں کریں گے۔''

بیربل زور سے ہنس دیا۔ ''اس نے کہا اور آپ نے یقین کر لیا؟''

فیضی حانم نے پیچھے مڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں واقعی نہیں معلوم؟ تم نے کبھی نوٹس نہیں کیا کہ یہ جگہ بغیر آگ جلائے بھی گرم کیوں ہوتی ہے؟''

بیربل نے ونگ چیئر کے بازوؤں کو دوبارہ چھوا۔ وہ واقعی گرم تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ کرنٹ کھا کے وہاں سے اٹھا۔

''اللہ اللہ۔'' وہ تیزی سے لونگ روم کے دوسرے دہانے پہ آرکا اور پیچھے مڑ کے آتش دان کو دیکھا۔ آنکھیں پھیل چکی تھیں۔ اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔

وہ دونوں ونگ چیئرز خاموش پڑی تھیں۔

''وہ دو سو سال سے یہاں رہ رہے ہیں۔ ماہر کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور۔''

''اف۔ بند کریں اپنا نیوز بلیٹن۔ مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔'' اس نے دونوں ہاتھ ان کے سامنے جوڑے۔ پھر پلٹ کے گھبراہٹ سے آتش دان کی طرف دیکھا۔

''پہلے میں ایک سائیکو مشین کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اب اس گھر میں جن بھی ہیں۔ اللہ اللہ۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ جلدی سے بند کیا۔ فیضی حانم مسکرا کے واپس اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انہیں یقین تھا بیربل فرید آج نماز پڑھ کے سوئے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ نے مٹیالے سفید جوگرز کو واپس باکس میں ڈالا۔ بیجوں کا خالی پیکٹ ان کے ساتھ رکھا۔ پھر باکس کو بند کیا۔ اس باکس نے ماضی کے سفر پہ روانہ کر دیا تھا اور اب اسے واپس حال میں پلٹنا تھا۔

وہ باکس لیے اوپر اسٹوڈیو میں چلی آئی۔ مطلوبہ کیبنیٹ کھولی اور باکس کو اندر کر کے رکھ دیا۔ وہ چیزیں ماضی کی کشمالہ کے ساتھ وہیں دفن ہو گئیں۔ وہ سیدھی ہوئی ہی تھی کہ ماہی کی کال آنے لگی۔

''میں ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔'' اس نے مسکرا کے فون کان سے لگایا۔

''میری عمر لمبی ہے یا میں شیطان ہوں؟''

مالا ہنس دی۔'' آج مجھے اتنے برس بعد وہ بیجوں کا پیکٹ نظر آیا جو تم نے مجھے امریکہ سے بھیجا تھا۔'' مالا یاد کر کے کہہ رہی تھی۔'' جو تمہیں ائیر پورٹ پہ کسی مہربان آدمی نے دیا تھا۔ وہ جس نے تمہارا ٹکٹ بھی پے کیا تھا۔''

اوہ۔ ماہی ایک لمحے کے لیے سانس نہیں لے سکی۔ وہ اس بات کو بھول چکی تھی۔ اسے اہم تفصیلات یاد تھیں۔ لیکن وہ پیکٹ ذہن سے فراموش ہو چکا تھا۔

''تم اس سے دوبارہ بھی ملی تھیں نا۔ اسی ائیر پورٹ پہ جب...'' مالا عام سے انداز میں ایک پرانی بات یاد کر رہی تھی۔

''مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' ماہی جلدی سے بولی۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ مالا سے باتیں چھپایا نہیں کرتی تھی لیکن اب یہ بات کیسے بتائے۔ وہ ماہر فرید کے ساتھ اس سرکار کو ڈھونڈنا چاہتی تھی' اس کو اپنے خاندان پہ جادو کرنے سے باز رکھنا چاہتی تھی۔ ماہر کے علاوہ کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اور مالا اسے ایسا کبھی نہیں کرنے دے گی۔

''کیا تم اس جادوگر کا اسکیچ بنا سکتی ہو جسے تم نے خواب میں دیکھا تھا؟''

''اسکیچ سے کیا ہوگا؟'' مالا کو حیرت ہوئی۔

''شاید میں اسے پہچان لوں۔ میں ویسے بھی خاندان میں سب کو جانتی ہوتی ہوں۔''

کشمالہ کو آئیڈیا برا نہیں لگا۔ شاید اس طرح اسے معلوم ہو جائے گا کہ کون حورِ جہاں بیگم اور شاید خود اس پر بھی جادو کر رہا ہے۔

فون بند کر کے اس نے اسٹوڈیو کی ساری بتیاں روشن کیں۔ پھر بال گول مول جوڑے میں باندھے اور ان میں برش اٹکا دیا۔ اب وہ اسٹول پہ بیٹھی اور سامنے اسٹینڈ پہ کورا صفحہ لگایا۔ پھر پنسل اٹھائی اور اس کو تراشا۔ وہ تیار تھی۔

کورے صفحے کو دیکھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں۔ اس کو وہ چہرہ پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھا۔ اس کی جھریاں۔ سفید بال۔ سر پہ بندھا نارنجی رومال۔ وہ آنکھیں۔ کہاں دیکھا تھا اس نے اسے پہلے؟ یاد کیوں نہیں آ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور پورے انہماک سے ایک لکیر کھینچنے لگی۔ دفعتاً ایک جھٹکے سے پنسل کا سکہ ٹوٹ گیا۔ ساتھ ہی زور سے ہوا چلی۔ کھڑکی کا پٹ پوری قوت سے کھل کے بند ہوا۔

وہ ایک دم سیدھی ہو کے بیٹھی۔ اطراف میں دیکھا۔ تمام بتیاں روشن تھیں۔ وہ اکیلی تھی اور باہر رات پھیلی تھی۔

اس نے سر جھٹکا اور پنسل دوبارہ تراشنے لگی۔ پھر سے کاغذ پہ لکیر کھینچی۔

اوپری شیلف میں رکھا پینٹ کا ایک کارٹن ٹھک سے نیچے گرا۔ سارا پینٹ فرش پہ بہہ گیا۔

وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھوک نگلا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا لیکن کوئی تھا۔

اس نے جلدی سے پنسل رکھ دی۔ پھر آیت الکرسی پڑھتے ہوئے سر پہ دوپٹہ لیا اور تیزی سے باہر نکلی۔

سیڑھیاں ویران تھیں۔ باہر کے نائٹ بلب جل رہے تھے لیکن لان کے تمام درخت خاموش کھڑے تھے۔ وہ کسی بھی طرف دیکھے بنا تیز قدموں سے قریباً بھاگتی ہوئی سیدھی اندر آئی اور اپنے کمرے میں جا کے دم لیا۔ دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ وہ اس کا چہرہ دیکھ چکی ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کو اسکیچ کرے۔ کیوں؟ وہ خوفزدہ تھا اور اسے خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔

میں صبح کے وقت جاؤں گی اور اس اسکیچ کو ضرور مکمل کروں گی۔ اس نے دل ہی دل میں عزم دہرایا۔ دل ابھی تک زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ شاید دیر تک جاگتی رہی تھی۔ جب سوئی تو وہی خواب پھر سے آیا۔ وہ منحوس شکل کا بچہ مسکرا کے اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ بھاگ رہی ہے اور وہ اس کے تعاقب میں ہے۔ فجر کے قریب وہ سوئی تو اب جاگی۔ بستر سے نکلنے سے پہلے عادتاً موبائل اٹھایا تو زیاد کا میسج جگمگا رہا تھا۔

''آج میں آپ کو سرپرائز وزٹ کروں گا۔''

وہ نیند سے بھری آنکھوں سے مسکرا دی۔ اس کا میسج کرنا' یا اس سے ملنے آنا' اسے کچھ بھی برا نہیں لگا تھا۔ زیاد کا ظرف بڑا تھا۔ اور اس نے کیا کیا تھا۔ اس کو قریباً ہاں کہہ کے گھر بلا کے ناں کہہ دی۔ پھر بھی زیاد اس بات کو درمیان میں لائے بغیر اس سے اسی احترام سے بات کرتا تھا۔

اس نے کہا تھا وہ جانے سے پہلے ایک دفعہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ شاید وہ آج ریستوران آئے۔ وہ پیروں کو سلیپرز میں گھسیڑتی بستر سے اٹھی اور بالوں کو گول مول جوڑے میں باندھ لیا۔

ابھی وہ کمرے سے نکلی ہی تھی کہ بخت بی ماں کی وہیل چیئر ڈرائینگ روم سے باہر لاتی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے

ہی ڈرائینگ روم کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کے مہمان آئے ہیں۔'' بخت بی کے دانت نکل رہے تھے۔

''زیاد آیا ہے؟'' وہ مسکرادی۔ (اتنی جلدی سر پرائز دے دیا؟) اور ڈرائینگ روم کی طرف چہرہ موڑا۔ دروازہ نیم وا تھا۔ بڑے صوفے پہ بیٹھا شخص یہاں سے دکھائی دیتا تھا۔

کشمالہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھا شخص اپنے موبائل کی طرف متوجہ تھا۔ سیاہ پینٹ پہ سفید ڈریس شرٹ پہنے' بال جیل سے جمائے' بڑھی شیو اور چمکتے سیاہ بوٹس والا آدمی زیاد نہیں تھا۔

''نہیں بیٹے۔ کیف آیا ہے۔ کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

وہ تیزی سے ماں کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی اور بے چینی سے ان کا چہرہ دیکھا۔

''کچھ کہا ہے اس نے آپ کو؟'' اس کی آواز سے جھلکتا خوف چھپ نہیں سکا تھا۔

''ہاں بیٹے۔ اپنی کہانی سنا رہا تھا۔''

''کیسی کہانی؟'' اس نے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ اتنی دیر تک اس سائیکو پیتھ اور خطرناک آدمی کے ساتھ ڈرائینگ روم میں بیٹھی رہی تھیں۔ اسے کیوں معلوم نہ ہو سکا؟

''بتا رہا تھا کہ چچا سے ناراضی تھی۔ لندن میں خاندانی بزنس چھوڑ کے الگ ہو گیا تھا۔ وقت گزارنے کے لیے تمہاری نوکری کر رہا تھا۔ اب صلح ہو گئی ہے چچا سے تو جلد ہی لندن واپس چلا جائے گا۔ معذرت کر رہا تھا کہ پہلے نہیں بتا سکا۔''

وہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔ ماہر فرید کیسے جھوٹے انداز میں سچ بول لیتا تھا۔ اور ماں... وہ ایسے بتا رہی تھیں جیسے انہیں اس بات سے فرق ہی نہ پڑا ہو۔

''بڑی بی بی پہلے ہی کہتی تھیں۔ یہ کسی اچھے گھر کا لگتا ہے۔'' بخت بی کے چہرے کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ اس نے ایک کاٹ دار نظر ان پہ ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا رخ ڈرائینگ روم کی طرف تھا۔

آہٹ پہ اس نے نظریں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کے ہلکا سا مسکرایا۔ یہ وہ مسکراہٹ تھی جو وہ ڈیڑھ ماہ تک ہر صبح گھر سے نکلتے ہی اپنی کار کے آس پاس دیکھا کرتی تھی۔ دل کو کچھ ہوا۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں غصہ اور آواز میں بے بسی تھی۔

''کہا تھا نا۔ بات کرنی ہے۔ تم نے اپنی ورک پلیس پہ آنے سے منع کیا تھا۔ اور کہاں آتا؟'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا۔ میز پہ چائے کے برتن رکھے تھے اور سارے میں کڑک چائے اور الائچی کی خوشبو پھیلی تھی۔

کشمالہ نے مٹھی بھینچ لی۔ پھر پلٹ کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔ بخت بی ماں کو واش روم لے کر گئی تھی۔ وہ ابھی واپس آتی ہی ہوں گی۔ اسے ان کی واپسی سے پہلے اس آدمی کو اپنے گھر سے نکالنا تھا۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔''

''کیا یہ تمہارا ڈیفنس میکنزم ہے؟ سامنا کرنے کے بجائے فرار اختیار کرنا؟ لڑنے کے بجائے کہیں دور چلے جانا؟'' وہ بغور اس کو دیکھ رہا تھا جیسے اس کا مطالعہ کر رہا ہو۔

کشمالہ نے ایک گہری سانس لی۔ اندر ابلتے غصے کو نیچے دھکیلا۔ پھر اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھی۔

''مجھے لڑنا آتا ہے' کیف۔ لیکن میں اپنی لڑائیاں سوچ سمجھ کے منتخب کرتی ہوں۔''

''پھر لڑو مجھ سے۔ حساب مانگو۔ میں حساب دوں گا۔ لیکن وہ نہ کرو جو ظہیر کے ساتھ کیا تھا۔ بغیر سنے یا کہے لڑائی چھوڑ کے مت جاؤ۔''

''ظہیر کو درمیان میں مت لاؤ۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔'' اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو ماہر چونکا۔ پھر سر جھٹکا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور قدرے آگے ہوا۔

''میں صرف تم سے ایک دفعہ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔

''اس کے بعد کیا ہوگا؟''

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''جو تم کہو گی وہی ہوگا۔ لیکن میری بات سننے کے بعد۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں میز پہ رکھی ٹھنڈی چائے اور الائچی کی خوشبو حائل تھی۔

''میں کہوں میری زندگی سے چلے جاؤ تو ایسا کرو گے؟''

''ایک لمحے کی دیر کیے بغیر چلا جاؤں گا۔''

وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔ وہ اسی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں' کشمالہ بی بی۔ نہ میں بار بار صفائیاں دیتا ہوں۔ لیکن ایک

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

دفعہ... ''انگشت شہادت اٹھا کے دکھائی۔''ایک دفعہ میں اپنی صفائی ضرور دوں گا۔ کب اور کہاں' یہ تم طے کرو گی۔''

وہیل چیئر کے پہیوں کی آواز پہ ماہر نے چہرے پہ مسکراہٹ طاری کر لی اور پیچھے ہو کے بیٹھ گیا۔ بخت بی ماں کی وہیل چیئر دھکیلتی اندر آ رہی تھیں۔

''آپ کے گھر میں فیملی فوٹوز نہیں لگے ہوئے۔''وہ چہرہ دائیں بائیں گھماتے ہوئے سرسری انداز میں بولا۔ غالباً ان کے جانے سے پہلے گفتگو کا سلسلہ یہیں سے ٹوٹا تھا۔

''ماں کو پسند نہیں ہے۔ کہتی ہیں تصویریں لگانے سے گھر میں فرشتے نہیں آتے... لیکن...''وہ انہی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔''شیاطین پھر بھی آ جاتے ہیں۔''

''شیاطین ہر جگہ ہیں' کشمالہ بی بی۔ بس پہچاننے میں وقت لگتا ہے۔''

وہ مسکرایا۔ انداز میں ڈھٹائی تھی۔ اس کو ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

کشمالہ نے ایک گہری سانس اندر کھینچی' پھر اسی کے انداز میں پیچھے ہو کے بیٹھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''ماں بتا رہی تھیں کہ تم انہیں اپنی فیملی کے بارے میں بتا رہے تھے۔''اب کے وہ بولی تو آواز ٹھنڈی تھی۔''تمہارے والد کی ڈیتھ کا سن کے مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔''

''ہاں بیٹے۔ اللہ ان کو جنت نصیب کرے۔''ماں نے خلوص دل سے دعا دی۔

ماہر نے سر کو ہلکا سا خم دیا' جیسے تعزیت وصول کی ہو۔

''لیکن تمہارے ایک دوسرے فادر بھی تو تھے نا۔''سادگی سے پلکیں جھپکا کے پوچھا۔

کچھ تھا جو ماہر فرید کے چہرے میں پل بھر میں بدل گیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں بہت کچھ ابھر کے ڈوبا۔

''سنا ہے وہ بہت اچھے انسان تھے۔ تم دونوں بھائیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔''وہ جوڑے سے نکلی ایک لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔''ان کی بھی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی نا۔ تم ان کو بہت مس کرتے ہو گے۔''

''بہت زیادہ۔''وہ دبی آواز میں بڑبڑایا۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایک دم کمرے میں گھٹن بڑھ گئی تھی۔ اسے ہوا چاہیے تھی۔

ماں نے چہرہ موڑ کے کشمالہ کو تادیبی نظروں سے گھورا۔ لیکن وہ کہے جا رہی تھی۔

''سنا ہے تمہارے اسٹیپ فادر...''

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''میں تم سے ملنے ریستوران آؤں گا۔ دوپہر میں۔ او کے؟'' ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی۔ وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائی۔ بیٹھے بیٹھے کندھے اچکائے۔

''شیور۔'' پھر زیر لب بڑبڑائی۔ ''پچھتاؤ گے۔''

وہ جو ماں کو جھک کے خدا حافظ کہہ رہا تھا' پھر سے چونکا۔ ایک نظر اسے دیکھا۔ چھٹی حس نے سرخ بتی جلائی اور بجھائی۔ کچھ تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

''بیٹے آتے جاتے رہا کرو۔ یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔'' ماں اس کو اپنے ازلی مہمان نواز انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''خدا حافظ کیف۔'' وہ پیچھے سے پکار کے بولی۔ پھر رکی۔ ''یا ماہر... جو بھی نام تم آج کل استعمال کر رہے ہو۔''

اس نے جاتے جاتے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور باہر نکل گیا۔ حور جہاں بیگم نے خفگی سے اپنی بیٹی کو دیکھا جو سینے پہ بازو لپیٹے بیٹھی ان سے زیادہ خفا لگ رہی تھی۔ مسکراہٹ اب غائب ہو گئی تھی۔

''اس کے سوتیلے باپ کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کس کو پسند ہوتا ہے یہ رشتہ؟''

''اور آپ کو کیا ضرورت تھی اس کی اتنی خاطر کرنے کی؟ میں نے اسے کسی وجہ سے نوکری سے نکالا تھا۔''

''تم تو کہہ رہی تھیں اس نے خود استعفیٰ دیا تھا۔''

''میرے الفاظ نہ پکڑیں۔'' وہ جھنجھلا کے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ صبح ہی صبح سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد کا سرپرائز ریستوران میں موجود تھا۔ وہ جیسے ہی مین ہال میں داخل ہوئی' لبوں پہ خود بخود مسکراہٹ بکھر گئی۔ ماہر فرید سے ملاقات کی ساری کلفت دور ہونے لگی۔

آنسوؤں سے لبریز شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک میز پہ چار افراد بیٹھے تھے۔ ان میں ایک زیاد بھی تھا۔ وہ چاروں اپنے سامنے کافی' چند کاغذ' اور لیپ ٹاپس کھولے بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔ یقیناً زیاد کی کوئی ورک میٹنگ چل رہی تھی جسے اس نے مالا کے ریستوران میں منعقد کیا تھا۔

وہ اسی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے جسے وہ پینٹ کر رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے آئی اور دیوار کے ساتھ اپنا میٹ بچھایا۔ پھر زمین پہ بیٹھی اور اپنے رنگ سامنے پھیلا لیے۔ سر پہ سبز سلک کا رومال باندھے' وہ مسکرا کے چہرہ جھکائے اپنے رنگ مکس کرنے لگی۔ پھر نگاہیں اٹھائیں تو شیشے کی دیوار میں پیچھے بیٹھے زیاد کا عکس دکھائی دیا۔

وہ کریم کلر کی پولو شرٹ میں ملبوس' اسے ہمیشہ کی طرح ہینڈسم لگ رہا تھا۔ دونوں ہاتھ اٹھا کے وہ بریفنگ دے رہا تھا جب نظر کشمالہ کی پشت پہ پڑی۔ وہ ان کے سامنے ہی زمین پہ بیٹھی تھی۔ زیاد کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری جسے اس نے فوراً سے سنجیدگی میں بدل دیا۔

اب اس کے سامنے بیٹھا آدمی کچھ کہہ رہا تھا۔ بظاہر اس کی بات دھیان سے سنتے ہوئے زیاد سلطان نے موبائل اٹھایا اور چند بٹن دبائے۔ وہ جو پیلیٹ پہ رنگ ڈال رہی تھی' موبائل کی تھرتھراہٹ پہ مسکرا دی۔ جانتی تھی کس کا میسج ہو سکتا ہے۔

''ایک پوٹینشل کلائنٹ سے میٹنگ میں ہوں۔ دعا کیجیے گا یہ ہماری کمپنی کو اپنی کیمپین کے لیے ہائر کر لیں۔''

کشمالہ کی انگلیاں کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔

''اور اتفاق سے آپ کے کلائنٹس نے آپ کو میری ورک پلیس پہ مدعو کر لیا۔''

''نہیں۔ میں نے خود یہاں میٹنگ رکھی تھی تا کہ آپ سے ملاقات بھی ہو جائے۔''

زیاد سلطان کا جواب ہمیشہ کی طرح سچا اور صاف تھا۔ کوئی ٹیڑھ نہیں۔ کوئی کہانی نہیں۔ اس نے مسکرا کے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اب ان افراد کے سامنے ایک آئیڈیا پچ کر رہا تھا۔ گاہے بگاہے میز پہ رکھی موبائل اسکرین پہ بھی نظر ڈال لیتا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے زمین پہ بیٹھی اپنے رنگوں میں مصروف تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ آپس میں بات کر رہے ہیں۔

''ڈیجیٹل میڈیا کیمپین کے لیے آپ کی اسٹریٹجی میں ایسا کیا ہو گا جو دوسری پی آر کمپنیز سے مختلف ہو گا؟'' اس کا مہمان سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ ''کیونکہ انعم میڈم موسم بہار کی کلیکشن کو لے کر بہت touchy ہیں۔ وہ عام کپڑا نہیں بناتیں۔ وہ بہترین لگژری ایڈٹ لا رہی ہیں۔ اس لیے انہیں کسی کا آئیڈیا پسند نہیں آ رہا۔''

(ابھی گرمیاں ختم نہیں ہوئیں اور کپڑوں کے برانڈز اگلی موسم بہار کی تیاری کر رہے ہیں۔ کمپٹیشن۔) کشمالہ نے مسکرا کے سر جھٹکا اور برش کے بالوں میں پینٹ پھنسایا۔ دفعتاً وہ چونکی۔ (انعم؟) پھر پلٹ کے ان افراد کو غور سے دیکھا۔

''کیا یہ انعم پرویز کا clothing برانڈ ہے؟'' اس کی انگلیوں نے تیزی سے موبائل پہ پیغام لکھا۔ زیاد کی اسکرین چمکی تو اس نے ایک نظر پیغام کو دیکھا۔ پھر ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سامنے شیشے کی دیوار میں اس کا عکس دیکھ سکتی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے برش رکھ دیا اور تیزی سے ٹائپ کرنے لگی۔

ادھر زیاد کہہ رہا تھا۔

''ڈیجیٹل میڈیا کیمپین دو طرح سے چلائی جاتی ہے۔ ایک influencer مارکیٹنگ اور دوسری... ''موبائل کی اسکرین دوبارہ روشن ہوئی تو اس نے گفتگو کی رفتار سست کرتے ہوئے اسکرین کو دیکھا۔ پھر ہلکا سا چونکا۔ جیسے متذبذب ہوا ہو۔

''یو نو واٹ... میرا خیال ہے آپ کی باس... انعم میڈم... تمام آئیڈیاز کو اس لیے ریجیکٹ کر رہی ہیں کیونکہ وہ بتا نہیں رہیں کہ انہیں کیا چاہیے۔'' وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔ کنکھیوں سے اسکرین پہ کھلے ایک ایک سطر کے نئے میسیجز کو بھی دیکھ رہا تھا۔

کشمالہ چہرہ جھکائے مسکراتے ہوئے ٹائپ کر رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' سامنے بیٹھے آدمی نے پہلو بدلا۔

''میں اپنا ہوم ورک کر کے آیا ہوں۔ آج سے چار سال پہلے انعم نے ووگ ٹاورز میں ایک شاپ کھولی تھی۔ اس میں وہ ایلان اور ثانیہ مسکاٹیہ کے کپڑے اسٹاک کرتی تھیں۔ اصل برانڈ پہ آرٹیکلز ختم ہو جاتے لیکن انعم کے پاس دستیاب ہوتے۔ یہ کپڑے لاہور کی ایلیٹ میں ہاتھوں ہاتھ بک جاتے تھے۔ انعم ایڈوانس پے منٹ لیتی تھیں۔ لیکن ان کا بزنس ماڈل sustainable نہیں تھا۔ اس لیے دو سال بعد ایک اسکینڈل بنا تھا۔''

ایک غیر آرام دہ سی کیفیت اس ٹیبل پہ چھاتی گئی۔

''یہ تب ہوا جب انعم نے بہت سے آرٹیکلز انڈیا بھیجنا شروع کر دیے۔ تھینک یو۔'' اس نے رک کے ویٹر سے کہا جو اب تازہ کافی کپ ان کے سامنے رکھ رہا تھا۔

''لاہور کی بہت سی ''آنٹیز'' (زیاد نے دو انگلیوں سے کوٹ ان کوٹ کا اشارہ کیا) کو پے منٹ کرنے کے باوجود جب کپڑے نہیں ملے تو انہوں نے ایک دن انعم کی شاپ پہ حملہ کیا۔ بہت گالم گلوچ اور لڑائی ہوئی۔''

ان افراد نے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ خاموشی سے کافی کے کپ اپنی طرف کھسکائے۔ چمچوں کے کانچ سے ٹکرانے کی آوازیں آئیں۔

''آخر میں انعم نے سب کے پیسے واپس کیے۔ آرٹیکلز وہ پہلے ہی دگنی پرائس پہ انڈیا بیچ چکی تھیں۔ اس حملے کی ویڈیو کہیں لیک نہیں ہوئی کیونکہ انعم کے والد ایک بااثر آدمی ہیں۔ لیکن اس واقعے نے انعم کی کریڈیبلٹی بہت خراب کی۔''

''ہم نے سب کے پیسے واپس کر دیے تھے۔ سارا مسئلہ ری اسٹاک کا تھا۔ برانڈز ہمیشہ...''

''میں ان کو جج نہیں کر رہا۔ اپنے آئیڈیے کی بنیاد بتا رہا ہوں۔'' زیاد سلطان نے نرمی سے ان کی بات کاٹی۔ پھر نظر اسکرین پہ ڈالی۔ اس پہ ایک کے ایک بعد ایک میسج ابھر رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

''انعم نے اس کے بعد دو دفعہ اپنی لان لانچ کی ہے۔ دونوں دفعہ انہوں نے سارا اسٹاک بیچ لیا لیکن لاہور کی آنٹیز اپنی کٹی پارٹیز میں آج بھی انعم کو گوسپ کا موضوع بناتی ہیں۔ انعم کو کوئی آئیڈیا اس لیے نہیں پسند آ رہا کیونکہ وہ اپنی کلیکشن صرف بیچنا نہیں چاہتیں۔ ان کو اپنی کھوئی ہوئی credibility واپس چاہیے۔''

''اور آپ کے پاس اس کے لیے کیا پلان ہے؟''

زیاد سلطان نے ایک منٹ کہہ کے اپنا فون اٹھایا۔ سامنے موجود چیٹ کھولی۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہاں لکھی چند سطور پڑھیں۔ پھر اپنے لیپ ٹاپ کو دیکھا۔ وہاں ایک پریزنٹیشن اس کی منتظر تھی۔ کنکھیوں سے اس نے شیشے کی دیوار کو دیکھا۔ وہ اس کے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بنا آواز کے حرکت کیے۔

''ٹرسٹ می۔''

اور زیاد سلطان نے کشمالہ مبین پہ اعتماد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کر دی اور سنجیدگی سے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہم اس کیمپین کے لیے خوبصورت چہروں اور گوری رنگت والی ماڈلز نہیں لیں گے۔ ہم inclusivity پہ مبنی کیمپین چلائیں گے۔ ہماری ماڈلز عام لڑکیاں ہوں گی جن کی رنگت (اس نے تھوک نگلا) سانولی ہوگی۔ ان کے فگرز پرفیکٹ نہیں ہوں گے۔ وہ دبلی بھی ہوں گی اور فربہ بھی۔ ان کے چہرے صاف بھی ہوں گے اور ان چہروں پہ ایکنی بھی ہوگی۔ تاکہ ہر وہ لڑکی جو خود کو نامکمل سمجھتی ہے اس کو لگے کہ انعم کے بنائے کپڑے اس کے لیے ہیں۔ وہ ان کو پہن کے خوبصورت دکھ سکتی ہے۔''

کشمالہ نے مسکرا کے فون واپس رکھ دیا۔ اس کی بے توجہی کے باعث برش کے بالوں میں پھنسا رنگ جم رہا تھا۔ اس نے برش کو پانی کے پیالے میں ڈبویا۔ رنگ گھلنے لگا۔ بال نرم ہوئے۔ وہ پھر سے نیا رنگ بنانے لگی۔ لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

دارچینی اور کافی کی مہک دھیرے دھیرے ختم ہوتی گئی۔ گفتگو دم توڑ گئی اور وہ لوگ اٹھ گئے۔ اسے اپنے قریب آتے قدم سنائی دیے۔ پھر دو جوتے نظر آئے۔

وہ مگن انداز میں پینٹ کیے گئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھا۔

''کہاں سے آتے ہیں آپ کو ایسے آئیڈیاز؟'' وہ ستائشی انداز میں پوچھ رہا تھا۔ کشمالہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ گلاس وال سے آتی دھوپ میں وہ اس کے ساتھ بیٹھا بہت ممنون لگ رہا تھا۔

''آئیڈیاز ہی ہیں میرے پاس۔ ان پہ عمل کرنے کے لیے بہت سا پیسا نہیں ہے۔''

''آپ انعم کو کیسے جانتی ہیں؟''

''لاہور کے Entrepreneurs ایک دوسرے کو جانتے ہوتے ہیں۔ انعم کی کہانی سب کو معلوم ہے۔'' اس نے مسکرا کے شانے اچکا دیے۔

''میرے باس بہت خوش ہوں گے۔'' وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھا تھا۔ چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ وہ بھی پورے دل سے مسکرا دی۔ پھر ایک چبھن سی محسوس ہوئی۔ ایک پھانس کے نہ نکلنے کی چبھن۔

''آئی ایم سوری۔''

زیاد کے ابرو اچھنبے سے اکٹھے ہوئے۔

''کس چیز کے لیے؟''

''آپ کو معلوم ہے کس چیز کے لیے۔''

وہ دھیما سا مسکرایا۔ ''کیا میں بغض پالنے والوں میں سے لگتا ہوں؟''

سبز رومال والی لڑکی نے مسکرا کے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ دھوپ سے اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

''جو بات شروع ہی نہیں ہوئی' اس کے ختم ہونے کا کیا افسوس کرنا۔ ہم کزنز تو ہیں ہی۔ اچھے دوستوں بھی بن سکتے ہیں۔''

اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ ''جی۔ ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔''

(مرد اور عورت کبھی دوست نہیں بن سکتے۔) ماں کی آواز کسی نشتر کی طرح دماغ میں چبھی۔ لیکن کشمالہ نے اسے جھٹک دیا۔ پرانے زمانے کی باتیں۔

''ارے ہاں۔ کل میں ریستوران آیا تھا بکنگ کروانے تو اسٹاف نے بتایا کہ آج آپ کی سالگرہ ہے۔ میں آپ کے لیے کچھ لایا تھا۔'' وہ یاد کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ہلکا سا ہنس دی اور اسے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔ وہ واپس اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھا اور بیگ درمیان

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

میں رکھا۔

''آپ نے بتایا تھا کہ آپ کو اچھے جوتے پسند ہیں۔ مجھے یہ اچھے لگے۔ کچھ دن پہلے لیے تھے۔ آج دینے کا موقع بن گیا۔''

کشمالہ نے مسکرا کے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ اندر چاکلیٹس کا ایک باکس تھا اور ساتھ ایک جوتوں کا ڈبہ۔

سیاہ کھسے۔ سادہ مگر بہت خوبصورت۔

''میں کھسے نہیں پہنتی لیکن یہ ضرور پہنوں گی۔ تھینک یو۔ لیکن...'' اس نے مسکراہٹ دبائی۔ ''آج میری سالگرہ نہیں ہے۔''

زیاد نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''اسٹاف نے بتایا تھا کہ آپ کے ڈاکومنٹس کے مطابق آج آپ کی سالگرہ ہے۔''

''میرے ڈکومنٹس پہ میری سالگرہ غلط لکھی ہے۔ برتھ سرٹیفکیٹ پہ غلط درج ہوگئی تھی اور پھر اولیولز تک بدلی نہیں جاسکی۔ بعد میں سارے ڈاکومنٹس اسی تاریخ کے ساتھ بنتے گئے۔ اب کیا تبدیل کرواتی۔''

''یعنی اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہوا؟''

زیاد نے افسوس سے اس کے ہاتھ میں پکڑے جوتوں کو دیکھا۔

''تاریخ سے کیا ہوتا ہے؟ سالگرہ کسی بھی دن منائی جاسکتی ہے۔ اور یہ جوتے بہت خوبصورت ہیں۔ سیاہ رنگ ویسے ہی مجھے پسند ہے۔''

''ہر ایک کو نہیں ہوتا۔''

وہ اداسی سے مسکرایا۔

وہ دونوں شیشے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے۔ دھوپ سیدھا ان کے اوپر پڑ رہی تھی لیکن اے سی کی ٹھنڈ کے باعث وہ بے ضرر لگ رہی تھی۔

''آپ کو دور اندر اب بھی اپنی رنگت کا کمپلیکس ہے زیاد۔'' وہ جوتے واپس پیک کرنے لگی۔ انداز سادہ تھا۔ زیاد کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''شاید۔''

''ایک زمانے میں مجھے بھی اپنے چہرے کا کمپلیکس تھا۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

اب کی دفعہ حیران ہونے کی باری زیاد سلطان کی تھی۔ اس نے بے یقینی سے کشمالہ مبین کے خوبصورت' سپید چہرے کو دیکھا۔

''ناممکن۔''

''میرے چہرے پہ بہت ایکنی تھی۔ اور میں نے اس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔'' اس نے سر جھکایا۔ لہجے میں کرچیاں سی ابھریں۔ ''لیکن پھر میں نے خود کو اس کمپلیکس سے نکالا۔ ایکنی کا علاج کروایا۔ کہیں دور اندر میں اب بھی خوفزدہ ہوں کہ وہ واپس نہ آجائے۔ میں ہر صبح اٹھ کے اپنا چہرہ دیکھتی ہوں۔''

''میں پوری طرح خود کو اپنی رنگت کے کمپلیکس سے نہیں نکال پایا۔ حالانکہ اب میں اس بارے میں زیادہ نہیں سوچتا۔ لیکن میرے ابو... '' وہ سر جھکائے یہ سب کہتے ہوئے ایک عام انسان لگا تھا۔ اس کے اپنے جیسا۔

''میری ماں کی رنگت کے باعث ان کو ساری عمر میرے والد سے باتیں سننی پڑی تھیں۔ ابو خوبصورت تھے۔ گورے اور خوبصورت۔ امی سے ان کی شادی زبردستی ہوئی تھی۔ امی نے اپنے رنگ کی وجہ سے بہت تکلیف سہی ہے۔'' وہ اب سامنے شیشے کی دیوار پہ پینٹ ہوئے آنسو دیکھ رہا تھا۔

''میری ماں بہت صابر اور سمجھدار عورت ہے' کشمالہ۔ ان کی ساری زندگی کا محور میں ہی ہوں۔ وہ اپنے لیے نہیں میرے لیے جیتی ہیں۔ میں ایک زمانے میں خود کو بدصورت سمجھتا تھا۔ پوری طرح نہ سہی' لیکن جتنا بھی میں اس کمپلیکس سے نکلا ہوں' امی کی وجہ سے نکلا ہوں۔ انہوں نے ہی میری شخصیت بنائی ہے۔''

وہ تحیر سے اسے دیکھے گئی۔ کیا اتنے پرکشش آدمی کو بھی اپنی شخصیت کا کمپلیکس ہو سکتا تھا؟

''کیسی ہیں آنٹی؟''

زیاد نے ایک ٹھنڈی سانس باہر خارج کی۔

''کوئی عجیب سی بیماری ان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ ایسے لگتا ہے کوئی curse ہے جو ہمارے خاندان کا پیچھا کر رہی ہے۔''

''شاید وہ curse میں ہوں۔ میری وجہ سے آپ کے اوپر کوئی جادو کر رہا ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔ کہا نہیں۔

وہ زیاد کو بتانا چاہتی تھی کہ اس نے خواب میں زیاد کی تصویر پہ بھی خون دیکھا تھا۔ اس کے انکار کی وجہ صرف ماں کی صحت نہیں تھی۔ وہ جادو بھی تھا جو کشمالہ سے جڑے ہر انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس کے قریب رہ کے

زیاد سلطان کو صرف نقصان ہوگا۔ نگینہ بیگم کی طبیعت تب سے خراب رہنے لگی تھی جب سے انہوں نے زیاد اور مالا کے رشتے کا سوچا تھا۔

لیکن وہ یہ سب بتا کے اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''آپ واپس کب جا رہے ہیں؟'' سوال ابھی لبوں میں ہی تھا جب اسے ایک احساس ہوا۔

ایک احساس جو پہلے سے ہو جاتا ہے۔ کسی کے اندر آنے سے پہلے۔ کسی کے آپ کو دیکھنے سے پہلے۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں کشمالہ نے چہرہ مین ہال کے داخلی حصے کی طرف موڑا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

زیاد کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ سن نہیں رہی تھی۔ وہ وہیں دیکھتی رہی۔ ایک سیکنڈ۔ دو سیکنڈ۔

گھڑی کی ٹک ٹک...

اور پھر وہ اندر داخل ہوا۔ موبائل پہ بٹن دباتے' وہ متلاشی نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اس کو۔

دفعتاً ماہر کے قدم زنجیر ہوئے۔ نظریں شیشے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے دو چہروں پہ جا رکیں۔

ایک زخمی سا تاثر بھوری آنکھوں میں ابھرا۔ جسم کے سارے اعصاب تن گئے۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر الٹے قدموں پلٹ گیا۔ جیسے کوئی فلم ریوائنڈ ہو جاتی ہے۔ جیسے وہ وہاں آیا ہی نہیں تھا۔

موبائل کی تھرتھراہٹ پہ وہ چونکی۔ زیاد اب بھی کچھ بتا رہا تھا۔ مگر اس کا ذہن بٹ چکا تھا۔

''میں سامنے ایک کیفے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

یہ ایک نیا نمبر تھا۔ انگلینڈ کے ۴۴ کوڈ والا واٹس ایپ نمبر۔ یقیناً ماہر فرید کا اصل نمبر۔

وہ بات کرنا چاہتا تھا۔ اور بات تو اسے بھی کرنی تھی۔

''زیاد مجھے کہیں پہنچنا تھا۔ بس ایک چھوٹا سا کام ہے۔''

''اوہ۔ میں ڈراپ کر دوں؟ میرے پاس کمپنی کی کار ہے۔'' وہ وقت دیکھتے ہوئے زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ لباس کی ندیدہ گرد جھاڑی۔

''نہیں۔ مجھے یہ خود ہی کرنا ہوگا۔'' اس نے زیاد کی دی چاکلیٹس اور جوتے وہیں اپنے سامان کے ساتھ رکھ دیے۔ اسے ماہر فرید سے ملاقات میں زیادہ دیر نہیں لگنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس ریستوران میں وہ اس کا انتظار کر رہا تھا وہ ایک چھوٹا سا بریک فاسٹ کیفے تھا۔ اونچی چھت سے فانوس

لٹک رہے تھے۔ دیواروں پہ ماڈرن graffitis بنی تھیں۔ اور سارے میں انگریزی ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ یہاں ابھی ناشتہ اور برنچ چل رہا تھا۔

سبز رومال اور ڈھیلے ڈھالے کرتے ٹراؤزر والی لڑکی سنجیدہ چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور سیدھی لکڑی کے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دوپٹہ گردن میں مفلر کی طرح لے رکھا تھا اور پرس کا اسٹریپ ایک کندھے سے گزار کے دوسرے پہ لٹکا رکھا تھا۔ وہ آج غصے میں نہیں تھی۔ وہ پرسکون تھی۔

بالائی منزل کی روشنیاں مزید مدھم تھیں۔ خوابناک سا ماحول بنا ہوا تھا۔ وہ ایک کونے والی میز پہ بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ گلاس وال تھی جہاں سے نیچے سڑک اور سامنے ریستورانوں کی قطار نظر آتی تھی۔ اسے دور سے آتے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چلتی ہوئی اس کے عین سامنے آ رکی۔ اب ان دونوں کے درمیان صرف لکڑی کی ایک میز تھی۔

وہ دونوں کتنے عرصے بعد یوں آمنے سامنے تھے۔ مالا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

کیا یہ وہی شخص تھا جو اس کے ہینڈ بیگز اٹھا لیتا تھا؟ اس کے لیے کار کا دروازہ کھولتا تھا؟ بیٹھنے سے پہلے اس کے لیے کرسی کھینچتا تھا؟ شاید نہیں۔ یہ کوئی اور تھا۔ اس کا لباس بھی الگ تھا اور کلاس بھی۔

''یہاں بیٹھو اور تحمل سے میری بات سنو۔'' ماہر آگے بڑھا اور ایک کرسی کھینچی۔ پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مالا نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا جو کرسی کے دہانے پہ جمے تھے۔ (شاید یہ وہی تھا۔)

''میں معافی مانگنے نہیں آیا۔ جانتا ہوں تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز کے وسط میں ایک ادھ پئے کافی کپ کے ساتھ ایک مصنوعی پودا رکھا تھا۔ زرد روشنی میں اس کے پتے بھورے لگ رہے تھے۔

''میں صرف صفائی دینے آیا ہوں۔ کیا تم میری صفائی سن سکتی ہو؟''

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی نظریں پودے کے پتوں پہ تھی۔ ان پہ ہلکی ہلکی سی گرد جمع تھی۔

''میری ایک بہن ہے۔ ہلال شمس۔ وہ لاپتہ ہے۔ میں اس کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ یاد ہے میں نے تمہیں اس کی تصویر دکھائی تھی؟''

وہ اگلے چند منٹ بولتا رہا۔ مختصر فقرے۔ تکلیف سے لیا گیا نام۔ ہلال اس کے لیے کیا تھی اور وہ کیسے کھوئی تھی۔

وہ چہرے پہ ایک ہی جیسے تاثرات لیے سنے گئی۔

''میرا دشمن بہت حساس ہے۔ وہ میری ہر حرکت سے آگاہ ہوتا ہے۔ میں نے وہ لائٹر تمہارے پرس میں نہیں رکھا

تھا۔ یہ اس نے کیا ہے۔ میری بہن اس کے پاس ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ میں اس تک پہنچوں۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ پودے سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں میں نے جھوٹ بولے ہیں۔ لیکن میں نے ہمیشہ تمہاری حفاظت کی ہے۔ میں نے کبھی تمہیں نقصان نہیں پہنچایا۔ میں تمہارا تعاقب کار نہیں ہوں۔ کوئی اور ہے جو...''

وہ بولتے ہوئے اس کے تاثرات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ ٹیک لگائے' سینے پہ بازو لپیٹے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں میرا یقین نہیں آیا نا۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''کسی کو ماہر فرید کا یقین نہیں آتا۔''

''تم نے مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچایا؟'' وہ پہلی دفعہ بولی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے۔ کچھ تھا وہاں جو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''ہاں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''کیا تم نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''نہیں' کشمالہ۔''

کچھ تھا جو کشمالہ مبین کی آنکھوں میں چھن سے ٹوٹا تھا۔

''میں نے تمہیں سچ بولنے کا دوسرا موقع دیا تھا' کیف۔ اس لیے نہیں کہ تمہیں معاف کر دوں۔ بلکہ اس لیے کہ شاید میرے دل میں تمہاری نفرت کچھ کم ہو سکے۔ لیکن نہیں۔'' وہ تاسف سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

وہ چونکا۔ کچھ تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''تم نے میرا ریستوران کیوں خریدا؟'' وہ دبا دبا سا غرائی۔

وہ سناٹے میں رہ گیا۔

''اوشن؟ میں نے اسے نہیں....''

''میں نے کہا تھا ظہیر کو درمیان میں مت لاؤ۔ پچھتاؤ گے۔'' ماہر پہ جمی اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ ''تمہارے جانے کے بعد میں نے ظہیر سے بات کی تھی۔ اتنے ماہ بعد میں نے سوچا کہ میں اس سے پوچھوں تو سہی کہ اس نے اوشن... میرا اوشن کیوں بیچا؟'' میرا کہتے ہوئے اس نے سینے پہ انگلی رکھی۔ آنکھوں کے کنارے

www.facebook.com/nemrah.ahmed.Official

پہ آنسو اٹکے تھے۔

''اور جانتے ہو مجھے کیا معلوم ہوا؟ کہ وہ اوشن جس کو میں نے اپنی زندگی کے پانچ سال دیے' اسے تمہاری انویسٹمنٹ ہولڈنگ کمپنی نے ایک لبنانی فوڈ چین کو بیچ کے دیا تھا۔''

وہ بالکل ساکت بیٹھا تھا۔(مالک...)

''اور پھر مجھے سمجھ میں آیا کہ تمہارے چچا عبدالمالک فرید اس روز مجھ سے خود کیوں نہیں ملے تھے۔ انہوں نے تمہارے بھائی کو مجھ سے ملنے کیوں بھیجا تھا۔ تاکہ میں انہیں پہچان نہ جاؤں۔ وہ اس لبنانی گروپ کے ساتھ اوشن میں آتے رہتے تھے۔ یہ سب تمہارا پلان تھا۔ مجھے جاب لیس کرنے کا۔''

''میں فرید ہولڈنگ نہیں چلاتا۔'' وہ آگے ہوا اور تیز لہجے میں بولا۔ ''وہ کمپنی مالک چلاتا ہے۔''

''میں نے اس بارے میں بھی معلوم کروایا ہے۔ اس کمپنی کے سی ای او تم ہو' کیف۔ صرف تم۔''

''ہماری کمپنی ساری دنیا میں انویسٹمنٹس کرتی ہے۔ میں اوشن کی ڈیل کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میز پہ رکھی اس کی مٹھیاں بھنچ چکی تھیں۔ آواز میں بے بسی تھی۔ غصہ تھا۔

''تمہارے دستخط ظہیر کے اس کانٹریکٹ پہ موجود ہیں۔''

''مالک مجھ سے ہر مہینے دو سو کاغذ سائن کرواتا ہوں' کشمالہ۔ میں ہر کاغذ نہیں پڑھتا۔ یہ پرانی بات ہوگی۔'' اس کا دماغ چکرا رہا تھا لیکن بظاہر اس نے آواز ہموار رکھی۔

اس نے افسوس سے اس کو دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔

''تم جانتے ہو وہ ریستوران میرے لیے کیا تھا؟ وہ میری پوری ورک لائف تھا۔ وہ میرا خواب تھا۔ تم نے اسے مجھ سے چھین لیا کیف۔ تمہارے دھوکے نے مجھے غصہ دلایا تھا۔ لیکن اس بات نے مجھے تم سے نفرت کرنے پہ مجبور کر دیا ہے۔ اب تم مجھے یہاں آ کے اپنی بہن کی کہانی سنا کے سمجھتے ہو کہ میں پھر سے بے وقوف بن جاؤں گی؟ نہیں کیف۔ تم نے مجھ سے اوشن بھی چھینا ہے اور میرا انسانوں پر سے اعتبار بھی۔''

''تمہیں نوکری سے ظہیر نے نکالا تھا۔ میں نے نہیں۔ شاید تمہیں جاب کرنے سے پہلے ایک کانٹریکٹ سائن کرنا چاہیے تھا۔ اپنی بے وقوفی پہ میری کمپنی کو الزام مت دو۔ ظہیر نے اپنی مرضی سے ریستوران بیچا ہے۔ گن پوائنٹ پہ نہیں۔''

کشمالہ کا چہرہ سرخ ہوا۔ لیکن اس نے لب بھینچ لیے۔

یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ جانتا تھا وہ حالات کو کس طرف لے کر جا رہا ہے۔ لیکن کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ اب اس کا یقین نہیں کرے گی۔ کیا نیا تھا اس میں۔

''تم نے کہا تھا اگر میں کہوں کہ میری زندگی سے چلے جاؤ تو ایسا ہی کرو گے۔'' وہ پرس کی اسٹریپ کندھے پہ پہننے لگی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''تم واقعی یہی چاہتی ہو؟''

اس نے ان بھوری آنکھوں میں دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

''میں یہی چاہتی ہوں۔ تم میری زندگی سے چلے جاؤ۔ اتنی دور کہ.....''

''کہ؟''

''کہ ہمارے راستے کبھی نہ ٹکرائیں۔''

وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔ سبز آنکھوں والی لڑکی کے ہر انداز میں بے اعتباری تھی۔ (مالک... یہ تم نے کیا کیا؟)

''میں اوشن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا' مالا۔'' اب کے اس کی آواز دھیمی تھی۔

''اب آسمان سے فرشتے اتر کے گواہی دیں' تب بھی میں تمہارا اعتبار نہیں کروں گی' ماہر۔ تم میری نظر میں ایک برے انسان تھے اور رہو گے۔ اور یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''میں نے تمہیں بہت دفعہ کہا تھا کہ میرا اعتبار مت توڑنا کیونکہ مجھے معاف کرنا نہیں آتا۔'' ایک آنسو پلک سے ٹپکا اور گال پہ لڑھک گیا۔ ''یہی ہے میرا defense mechanism۔ میں لڑائی کر کے صلح نہیں کیا کرتی۔ میں ایسے لوگوں کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے دور کر دیتی ہوں جو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ ختم۔ delete۔''

''ڈیلیٹ؟''

''ڈیلیٹ۔'' اس نے اثبات میں ہلایا۔ پھر ہتھیلی کی پشت سے رخسار رگڑا۔

''تمہاری بدگمانی کی دیوار بہت اونچی ہو گئی ہے' مالا۔ اب میرا کوئی سچ اس کو پھلانگ نہیں سکتا۔ لیکن....'' اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ وہ اسے سن رہی تھی۔

''میں لوگوں کے پیچھے نہیں بھاگا کرتا' مالا۔ میں چلا گیا تو واپس نہیں آؤں گا۔ کیا تم واقعی ایسا چاہتی ہو؟''

''ہر چیز سے زیادہ۔'' اس کی آواز میں دبی دبی سی بے بسی تھی۔ منت تھی۔ غصہ تھا۔

''او کے۔ تمام۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''تمام۔'' عربی میں دہراتے ہوئے اس نے میز سے اپنا موبائل اٹھایا۔ پھر والٹ سے چند نوٹ نکال کے ادھ پئے کافی کپ کے ساتھ رکھے۔ والٹ جیب میں رکھا۔ جیسے غائب دماغی سے یہ کر رہا ہو۔

وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوئے۔ وہ اس کے ساتھ سے گزر کے آگے بڑھا لیکن قدم زنجیر ہو گئے۔ وہ اب اس کے کندھے کے برابر کھڑا تھا۔ وہ دونوں مخالف سمتوں میں دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے جانے کی منتظر تھی۔ اور وہ اس کے روکنے کا۔

''زندگی میں کبھی ضرورت پڑے...''

''نہیں پڑے گی۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''... تو تم مجھے پکار سکتی ہو۔ میں آجاؤں گا۔'' ذرا دیر کو ٹھہرا۔ ''لیکن تمہارے پکارے بغیر میں کبھی نہیں آؤں گا۔''

اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ بہت سے فاصلے خود بخود عبور ہو گئے۔ کشمالہ نے رکی ہوئی سانس بحال کی۔ وہ اب دور جا رہا تھا۔ وہ اس کے قدم سن سکتی تھی۔ اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ دل اس کے ہر قدم کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔

ایک۔ دو۔ تین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ریستوران کی لکڑی کی سیڑھیاں اترنا ماہر فرید کے لیے سب سے تکلیف دہ کام تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کی سماعتیں اوپر کھڑی کشمالہ مبین پہ لگی تھیں۔ شاید وہ اسے پکارے۔ شاید ایک دفعہ۔

لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس کے بھاری بوٹ نیچے اترتے گئے۔

ایک زینہ۔ دوسرا زینہ۔ پاتال تک کا سفر تھا۔ بدقت کٹ ہی گیا۔

وہ ریستوران کے سامنے باہر نکل آیا۔ باہر تیز دھوپ تھی۔ سورج عین سر پہ چمک رہا تھا۔ اس نے کالر کا اوپری بٹن کھول دیا۔ گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔

''م.... مجھے آج کی کوئی فلائٹ بک کروا دو۔ کمرشل۔ اکانومی۔ واٹ ایور۔ مجھے واپس پہنچنا ہے۔'' وہ فون پہ کہہ رہا تھا۔ انگلیوں بے چین تھیں۔ بہت عرصے بعد شدت سے محسوس ہوا تھا کہ اس کے ہاتھوں کو سگار چاہیے۔ لیکن اس نے سگار چھوڑ دیا تھا۔

اور جسے چھوڑ دیا' اسے چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کے بعد وہ ریستوران واپس جا کے رنگوں کو ہاتھ نہیں لگا سکی۔ بس جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹیں۔ جوتوں کا ڈبہ اور چاکلیٹس اٹھائیں۔ ٹپ ٹپ بہت سے قطرے چاکلیٹس کے ڈبے پہ گرنے لگے۔ اس نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی اور آنکھیں رگڑتی ہوئی باہر نکل آئی۔

وہ ایک دھوکے باز آدمی تھا۔ میں چند دن میں اس کو بھول جاؤں گی۔

وہ بے توجہی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں۔

کاش تم نے مجھ سے پہلے دن سے سچ بولا ہوتا' کیف۔ آدھے جھوٹ۔ ادھورے سچ۔

کار گھر کے قریب ایک سگنل پہ رکی ہوئی تھی اور وہ آنکھیں بند کیے سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے ہوئے تھی۔ آنسو ٹپ ٹپ گرتے جا رہے تھے۔

کھڑکی کا شیشہ بجا تو وہ ایک دم سے ڈر گئی۔

باہر ایک بچہ کھڑا تھا۔ مالا کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ بٹن دبایا۔ شیشہ نیچے ہوتا گیا۔

''آپ مالا باجی ہیں نا۔'' وہ مسکرایا۔ وہ پٹھان بچہ تھا۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں۔ ایسی سبز آنکھیں جو مغربی فوٹوگرافرز اپنا کیریئر بنانے کے لیے شوٹ کرتے ہیں۔

''ہاں۔ اور تم؟'' اس نے جلدی سے گیلے رخسار رگڑے۔

''میری امی آپ کے سامنے والے گھر میں کام کرتی ہے۔ میں یہ بناتا ہوں۔'' اس نے موتیے کے بنے گجرے سامنے کیے۔

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

''میری ماں کے لیے۔'' اس نے پیسے دیے اور گجرے تھام لیے۔ آنکھیں بند کر کے ان کی خوشبو کو سونگھا۔ اندر تک جیسے ایک تازگی سی اترتی گئی۔

''مالا باجی آپ پینٹنگ کرتی ہیں؟''

بتی ابھی سرخ تھی اور وہ کھڑکی سے لٹک کے اندر جھانک رہا تھا۔

''ہاں کیوں؟ تمہیں رنگ اچھے لگتے ہیں؟'' اس نے گجرے فرنٹ سیٹ پہ رکھے۔ ساتھ ہی چاکلیٹس کا باکس رکھا نظر آ رہا تھا۔ بچے کی نظر چاکلیٹس پہ گئی اور پھر واپس اس تک۔

''جی۔ آپ کے پاس فالتو رنگ ہوں تو مجھے دے دینا۔'' بتی زرد ہو گئی۔

''یہ بھی فالتو ہیں۔ لے جاؤ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے چاکلیٹس کا باکس اٹھایا اور اسے تھما دیا۔ بچے کے چہرے پہ پہلے شاک ابھرا اور پھر.. لامحدود خوشی۔ اس نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ چاکلیٹس نہیں کھاتی تھی۔ اور آج تو شاید وہ کچھ نہیں کھا سکے گی۔ طبیعت عجیب مکدر ہو رہی تھی۔

میں اسے بھول جاؤں گی۔ بس چند دن کی بات ہے۔ مجھے اپنے کام پہ فوکس کرنا ہے۔ ماں کو توجہ دینی ہے۔

وہ زیرِ لب بار بار دہرا رہی تھی۔

''کیا وہ میرا تعاقب چھوڑ دے گا؟'' دل سے ایک ڈری سہمی آواز سنائی دی۔

''ہاں۔ وہ کسی اور لڑکی کی طرف بڑھ جائے گا۔'' دماغ نے سمجھایا۔ ''اس کے پاس لڑکیوں کا پورا البم تھا۔''

اور یہ آواز دل کا بوجھ سرکانے لگی۔ اس نے زور سے آنسو رگڑے۔

وہ کس آدمی کا غم لے رہی تھی؟ ماہر فرید کی دنیا الگ تھی۔ وہ پرفیکٹ زندگی سے اٹھ کے آیا تھا۔ اس کو کیا معلوم کہ چہروں کی رنگت اور داغوں والے نامکمل لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ کیسے وہ اپنے وجود کے سارے حصوں کو جوڑ کے بدقت خود کو اس مقام تک لاتے ہیں۔ اس کے کشمالہ مبین اور زیاد سلطان جیسے کمپلیکسز کہاں ہوں گے۔

امیر لوگ۔ الگ دنیا۔ انہیں ہائی ہیلز کا ایک جوڑا لینے کے لیے بڑے بڑے فیصلے نہیں کرنے پڑتے۔

اس نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ اسے بھول جائے گی۔ بس چند دن لگیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند دن بعد...

سریار (استنبول) کی اس اونچی عمارت کا ٹاپ فلور روشن تھا۔ اپارٹمنٹ کی اونچی کھڑکیوں کے باہر ایک ٹیرس بنا تھا جس کے چھجے سے برقی قمقمے لہروں کی صورت لٹک رہے تھے۔

ٹیرس پہ ایک کاؤچ رکھا تھا جس پہ ماہر بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ پیر لمبے کر کے قینچی صورت سامنے اسٹول پہ جما رکھے تھے۔ اور وہ خاموشی سے نیچے نظر آتی سڑک اور اس کے پار بہتے بوسفورس کو دیکھ رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں بوسفورس کنارے کھڑی کشتیوں کی بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ کہیں سے ہلکی سی موسیقی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس پرسکون ماحول میں خلل دستک نے ڈالا۔ اس نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ٹیرس سے اندر کھلتے دروازے کی چوکھٹ میں بیربل کھڑا تھا۔ ٹی شرٹ ٹراؤزر پہنے، گھنگھریالے بال ماتھے پہ بکھیرے وہ تازہ دم سا نظر آ رہا تھا۔

''جب سے واپس آئے ہو اسی طرح خاموش ہو۔ لیکن آج نہیں رہو گے۔'' وہ مسکرایا اور اندر لاؤنج کی طرف

اشارہ کیا۔

''چنگیز تم سے ملنے آیا ہے۔''

ماہر کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ ''اسے اس وقت کس نے بلایا ہے؟''

''میں تو اسے جانتا ہی نہیں ہوں۔ پتہ نہیں کون ہے۔ خود ہی اندر گھس آیا۔'' بیر بل تیزی سے ایک طرف ہوا اور نووارد کو راستہ دیا۔

''ماہر آفندی... کہاں گم ہو؟'' بھاری آواز میں اس کا احوال پوچھتا ایک آدمی ٹیرس پہ آیا۔ اس نے کالر والی شرٹ پہن رکھی تھی جس کے اوپری بٹن کھلے تھے اور گردن میں جھولتی سلور چین جھانک رہی تھی۔ انگلیوں میں بھی دو تین سلور انگوٹھیاں تھیں۔ وہ چوڑے کندھوں والا اونچا لمبا سا مرد تھا جس کو دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا وقت تھانے سے زیادہ جم میں گزرتا ہے۔ چہرے پہ تراشیدہ مونچھیں اور ایک بے تکلفانہ مسکراہٹ تھی۔

ماہر نے پہلے اسے دیکھا۔ پھر ایک تیز نظر ریلنگ کے ساتھ کھڑے بیر بل پہ ڈالی۔ اس نے فوراً لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔

''واللہ میں اس آدمی کو پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔''

چنگیز نے ہاتھ جھلا کے اسے ہٹنے کا اشارہ کیا اور کاؤچ کے دوسرے کنارے پہ جا بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمالی اور بغور اپنے بائیں ہاتھ بیٹھے ماہر کو دیکھا جس کے چہرے پہ اب صرف اکتاہٹ تھی۔

''کیسی محبت تھی تمہاری؟ لڑکی کے پیچھے گئے مگر خالی ہاتھ آ گئے۔ چچ۔'' مایوسی بھری خفگی سے شکوہ کیا۔ بیر بل نے بے اختیار ماتھا چھوا۔ ماہر کے دوست بھی اس جیسے تھے۔

''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ آواز ہلکی تھی۔

''لیکن ہم کرنا چاہتے ہیں۔'' چنگیز کا لہجہ خفا خفا سا تھا۔ ''بلکہ پہلے بتاؤ' اپنے اس روبوٹ چچا کی خبر لی جس نے اس کا ریستوران بکوایا تھا؟''

ماہر نے جواباً تیز نظروں سے بیر بل کو گھورا۔ وہ بہت مصروف سا اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔

''مالک نے کسی وجہ سے یہ بات مجھ سے چھپائی ہے۔ اس سے پوچھنے کا فائدہ نہیں ہے۔ میں اب صرف اس پہ خاموشی سے نظر رکھے ہوئے ہوں۔ مجھے اس کے خود سے بولنے کا انتظار ہے۔''

''تمہارا چچا مجھے مشکوک لگتا ہے' ماہر۔''

''تمہیں تو ہر آدمی مشکوک لگتا ہے۔'' بیر بل بدمزہ ہوا۔ ''مانا کہ وہ روبوٹ ہے' بیٹری سے چلتا ہے' لیکن وہ ماہر سے واقعی محبت کرتا ہے۔ وہ اس کو ایسے دھوکہ نہیں دے گا۔ کوئی وجہ ہوگی۔''

چنگیز نے گھور کے ریلنگ کے ساتھ کھڑے بیر بل کو دیکھا۔

''میں ہومی سائیڈ (قتل) ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا ہوں' بیر بل۔ ستر فیصد قتل کیسز میں قاتل قریبی فرد نکلتا ہے۔''

''اور باقی چالیس فیصد تم سے حل نہیں ہوتے ہوں گے۔''

''جاؤ یار... کوئی چائے قہوہ پلاؤ۔'' اس نے ہاتھ جھلا کے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ماہر کو تشویش سے دیکھا۔ وہ اسی انداز میں بیٹھا نیچے بوسفورس کے سیاہ پانیوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اور تم مجھے یہ سمجھاؤ کہ کون سا مرد صرف ایک دفعہ کہنے پہ کسی عورت کو چھوڑ سکتا ہے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کون سا مرد کسی عورت کے کہنے پہ اسے چھوڑ کے چلا جاتا ہے' مالا۔'' موسیقی کے شور میں صفورا اس کے کان کے قریب زور سے بولی تھی۔ ''عورت چھوڑ سکتی ہے۔ لیکن مرد اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتے۔''

وہ دونوں اس وقت مہندی کے ایک فنکشن میں موجود تھیں۔ لاہور شہر سے ذرا باہر ایک فارم ہاؤس پہ مالا کی ایک کلاس فیلو کی مہندی منعقد کی گئی تھی۔ اونچے مارکی کی چھت فانوسوں اور گیندے کے پھولوں سے ڈھکی تھی۔ ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ روشنیاں۔ رنگ۔ چمکتے دمکتے لوگ۔

کشمالہ بڑے دن بعد ماں کو بخت بی اور معید کے پاس چھوڑ کے کسی فنکشن میں آئی تھی۔ مغرب ڈھل کے رات میں بدل چکی تھی۔ مہندی کا فنکشن لاہور کی دوسری مہندیوں سے مختلف نہ تھا۔ خواتین ہوں یا مرد' سب کا فوکس ایک ہی تھا۔

تصاویر اچھی آنی چاہیے ہیں۔

چاہے حقیقت جیسی بھی ہو' سب کو تصاویر میں پرفیکٹ نظر آنا تھا۔ بڑی بڑی فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی کمپنیز ہائر کی گئی تھیں جو اس فنکشن کی عکس بندی کر رہی تھیں۔ لائٹنگ سے لے کر ہیش ٹیگ تک' سب کچھ انسٹاگرام پہ اپ لوڈنگ کے لحاظ سے تیار کیا جا رہا تھا۔

لاہور کی اپر مڈل اور اپر کلاس کے ہاں اب شادیوں پہ انڈین ڈیزائنرز کو پہننے کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ہر دوسری دلہن سابیا ساچی' ابھینا و مشرا اور منیش ملہوترا وغیرہ کی لہنگا چولی پہنتی نظر آتی تھی۔ یہ ملبوسات بھاری کسٹم ڈیوٹی ادا

کر کے بذریعہ دبئی منگوائے جاتے تھے۔

پھر ہر مہندی یا شیندی پہ رقص کے مقابلے ہوتے تھے۔ وہ زمانے گئے جب لاہور کی مہندیوں پہ ڈانس ویڈیوز بنانے سے منع کیا جاتا تھا۔ اب نہیں کیا جاتا۔ اب لاہور ہو یا استنبول' انسانوں کی اکثریت کو مشہور ہونے کا شوق ہو چلا تھا۔ شادی کتنے دن تک سوشل میڈیا پہ ٹرینڈ کرے گی' کس کی ویڈیو وائرل ہو جائے گی' اب ایک مقابلہ تھا۔

ایسے میں وہ دونوں تصاویر اور برانڈز کی اس مقابلے بازی سے دور ایک اونچی میز کے گرد بیٹھی تھیں۔ صفورا نے ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اور وہ آج اپنے باس گرل حلیے سے مختلف نظر آ رہی تھی۔ مالا البتہ سادگی سے تیار ہوئی تھی اور اس چیز نے صفورا کو چونکایا تھا۔ اس کے لمبے بال ایک شانے پہ آگے کو سمیٹے ہوئے تھے۔ کانوں میں جھمکے تھے اور لباس آنکھوں جیسے سبز رنگ کا تھا۔ صرف مقیش کے جھلملاتے ہوئے سبز دوپٹے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مہندی کے فنکشن میں آئی ہے۔ ورنہ چہرے پہ میک اپ نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک اداسی سی تھی جو اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

''میں بتائے دے رہی ہوں' مالا۔ وہ سائیکو ہے۔ اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑے گا تمہارا۔''

موسیقی کے بے ہنگم شور پہ صفورا اس کے کان کے قریب زور سے بولی۔

کشمالہ چہرہ اٹھا کے چھت سے لٹکتے گیندے کے پھول دیکھنے لگی۔ دونوں ہاتھ باہم پھنسائے' وہ انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ صفورا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا تم پچھتا رہی ہو؟''

''میں نے غلط تو نہیں کر دیا؟''

''دماغ درست ہے تمہارا؟'' صفورا نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ''وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ اس نے تمہارا ریستوران چھینا' کیف کو ڈرایا دھمکایا' پھر تمہاری زندگی میں داخل ہو کے تمہیں دھوکہ دیا۔ تمہیں تو اس کو پولیس کے حوالے کرنا چاہیے تھا۔ بہت سستے میں چھوڑ دیا۔''

مالا نے نظریں فانوسوں سے ہٹا کے صفورا کے چہرے پہ مرکوز کیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک تذبذب سا تھا۔

''کیا معلوم اس کی بہن واقعی لاپتہ ہو۔ اور وہ یہ سب اس کو ڈھونڈنے کے لیے کر رہا ہو۔'' وہ ایک انگلی گردن میں جھولتی چین پہ پھیر رہی تھی۔

''بہن لاپتہ ہے تو پولیس سے بات کرے نا۔ تم پولیس ہو کیا؟ اف کشمالہ۔'' صفورا نے ماتھے کو چھوا پھر فکرمندی

سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''وہ تمہارے ذہن کو چکر دے رہا ہے۔ ایسے لوگ بہت شاطر ہوتے ہیں۔ تم نے اس کی کہانی میں نہیں آنا۔ سب جھوٹ ہے۔ ہمدردی لینے کے بہانے ہیں۔''

''لیکن اگر اس کی بہن واقعی کسی مصیبت میں ہوئی؟'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''وہ ایک گیارہ سال کی بچی ہے۔ اگر میں اس کی مدد نہ کر سکی تو میں خود کو کیسے معاف کروں گی؟''

''میں نے معلوم کروایا ہے یار۔ اس کی بہن مر چکی ہے۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کا جنازہ بھی ہوا تھا اور قبر بھی موجود ہے۔''

وہ خاموشی سے سر جھکائے لب کاٹنے لگی۔ صفورا نے گہری سانس لی اور اس کی طرف جھکی۔

''تم اس کی بہن کو جانتی ہو؟ یا اس کے اغوا کار کو؟''

اس نے جھکے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

''پھر تم کچھ نہیں کر سکتی۔ بالفرض یہ سچ ہو تب بھی یہ ماہر فرید کا اپنا مسئلہ ہے۔ تمہیں اس آدمی کو اپنے ذہن سے نکالنا ہے۔'' صفورا نے توقف کیا۔

''اور دل سے بھی۔''

کشمالہ نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ پھر اس کے چہرے پہ برہمی ابھری۔

''کتنی دفعہ بتاؤں، مجھے اس سے کوئی محبت وغیرہ نہیں ہے۔''

''پھر کیا ہے جو تمہیں اتنا بے چین رکھے ہوئے ہے؟ وہ جب سے گیا ہے تم ڈسٹرب ہو۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم جب سے آئے ہو ڈسٹرب ہو۔ ہم سے بات کرو یار۔''

ٹیرس کی خاموشی میں چنگیز کی فکرمند آواز گونجی۔

''کیوں بات کروں؟'' کاؤچ پہ نیم دراز ماہر ہنوز بوسفورس کے کنارے کھڑی چھوٹی کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔

''تاکہ تمہارا دل ہلکا ہو۔''

''ہاں اور آدھے شہر کو خبر ہو جائے۔'' ایک گھورتی ہوئی نظر سامنے قہوے کی ٹرے رکھتے بیربل پہ ڈالی۔

''وہ تمہارے لیے پریشان ہے، ماہر۔''

اور پریشان ڈھٹائی سے دانت نکالتے ہوئے اسٹول پہ بیٹھ گیا۔ ایسے کہ اس کی ریلنگ کی طرف پشت تھی اور وہ

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

دونوں اس کے سامنے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں۔ کام کر رہا ہوں۔ روز آفس جاتا ہوں۔ اور کیا کروں؟''

''کیا تم دوبارہ اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟'' چنگیز آگے بڑھا اور مٹھی میں شکر کی دو ڈلیاں اٹھائیں۔

''وہ میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔ اور وہ اس کے ساتھ خوش تھی۔''

شکر کی ڈلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے سرخ چائے میں جا گری۔ چنگیز کے ساتھ ساتھ بیربل بھی چونکا۔

''وہ کون؟ زیاد؟''

ماہر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''وہ پھر سے درمیان میں آ گیا؟'' بیربل کو جیسے بہت برا لگا تھا۔

''وہ درمیان سے کبھی نہیں جائے گا۔'' کچھ تھا اس کی آواز میں۔ شکست خوردہ سا۔ ٹوٹا ہوا۔

بیربل اور چنگیز نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر اسے۔

''کیا وہ اس کو پسند کرتی ہے؟''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ نیچے دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں کا محور بنی کشتی میں دو لوگ بیٹھے کچھ گنگنا رہے تھے۔ ان کے لوک گیت کی آواز خاموش رات میں ترنم بکھیر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''پھر تم کسے پسند کرتی ہو؟ زیاد کو؟'' موسیقی کا بے ہنگم شور مزید بلند ہو رہا تھا۔ صفورا کو اپنی کرسی اس کے قریب کھینچنی پڑی۔

''ہاں۔ شاید۔ زیاد بہت سچا اور سادہ انسان ہے۔'' وہ سوچ کے بتا رہی تھی۔ ''میں اس کے لیے وہی کشش محسوس کرتی ہوں جو کوئی بھی لڑکی ایسے مرد کے لیے کرتی ہے جس کے ساتھ وہ واقعی شادی کرنا چاہتی ہو۔ اس کا مجھ سے ملنا' بات کرنا' مجھے سب اچھا لگتا ہے۔''

''اور اس سائیکو پیتھ کے لیے کیا محسوس کرتی ہو؟''

گردن میں پڑی چین پہ چلتی اس کی انگلی رک گئی۔ آنکھوں میں کچھ ابھر کے ڈوب گیا۔

''وہ میرا دوست تھا۔ محافظ تھا۔ اس کے ساتھ کشش والا احساس نہیں تھا۔ بس کچھ مختلف تھا۔ میں اس پہ اعتبار

کرتی تھی اور وہ میری حفاظت کرتا تھا۔ اور پھر نہ اعتبار رہا نہ حفاظت۔'' اس شام پہلی دفعہ صفورا کو اس کے چہرے پہ سرخی نظر آئی۔ بے بسی۔ غصہ۔ ''اس نے میرے ساتھ بہت غلط کیا۔ وہ وہ تھا ہی نہیں جو میں اسے سمجھتی تھی۔''

''وہ نہ تمہاری حفاظت کر رہا تھا نہ اعتبار کے قابل تھا' مالا۔'' صفورا اسے سمجھا رہی تھی۔ ''میں اس وقت تمہیں اس سے نہیں بچا سکی لیکن اب میں بچانا چاہتی ہوں۔ ایسے مرد بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اس نے پہلے تمہارا اعتماد جیتا۔ پھر وہ تمہارے گھر میں رہنے لگا۔ پھر تمہیں اپنا عادی بنا کے وہ جان بوجھ کے چند دن کے لیے غائب ہو گیا تا کہ تم اس کو مس کرو۔ آخر میں بھی اس نے جھوٹ بولا کہ کراچی جا رہا ہے۔''

''اگر اس روز میں تم سے بات نہ کرتی تو ہم اس کی حقیقت کبھی نہ جان سکتے۔'' اسے یاد آیا۔ ماتھے پہ لکیریں ابھریں۔

''یہی میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس نے تمہیں اپنی حقیقت نہیں بتائی۔ تم نے اس کا جھوٹ خود پکڑا تھا۔ اب وہ اعتراف کرے' معافی مانگے یا اپنی بہن کی کوئی کہانی سنائے' کیا فائدہ؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''اگر تم اسے اپنے منہ سے اپنی حقیقت بتا دیتے تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا۔'' چنگیز افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایک کیک بنانے والے آدمی نے کہا تھا کہ ایسا نہ کرو۔ لیکن نہیں۔'' بیربل کی زبان پھسلی۔ چنگیز نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

''میں کب انکار کر رہا ہوں کہ میں نے غلط نہیں کیا۔ مجھے اپنی غلطیاں درست کرنی نہیں آتیں اور اسے معاف کرنا نہیں آتا۔''

''محبت میں انسان سب کچھ کر لیتا ہے' ماہر۔ مجھے سمجھاؤ کہ تم اسے چھوڑ کے کیوں آ گئے؟''

ماہر فرید نے پہلی دفعہ چہرہ موڑ کے قریب بیٹھے چنگیز کو دیکھا۔ پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟''

''یہ تمہاری جگہ ہوتا تو زیاد کو کسی مقدمے میں اندر کروا چکا ہوتا۔'' بیربل زور سے ہنسا۔

ان دونوں نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے چہرے کے زاویے سیدھے کیے۔

''اوکے اوکے میں چپ ہوں۔'' ہونٹوں پہ زپ کی لکیر کھنچی۔

''میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس لڑکی سے معافی مانگتا۔ بار بار اس کے پیچھے جاتا۔ اس کا دل جیتنے کی کوشش کرتا۔ اظہارِ محبت کرتا۔ کوئی تحفہ دیتا۔'' پھر سر کو اعترافی انداز میں خم دیا۔ ''اور زیاد کو کسی مقدمے میں اندر کروا دیتا۔''

''یہ ہوتی ہے محبت۔'' بیربل نے ہاتھ ماتھے پہ لے جا کے سلیوٹ کا اشارہ کیا۔ ماہر نے بغور اسے دیکھا۔

''یقیناً تم بھی یہی کرتے۔ اس کے پیچھے پڑے رہتے یہاں تک کہ اس کی ناں ہاں میں بدل جائے۔''

''لڑکیوں کی ناں کا مطلب ہوتا ہے کہ کچھ دن میرے پیچھے بھاگو اور پھر میں مان جاؤں گی۔'' چنگیز نے شانے اچکائے اور پیالی سے گھونٹ بھرا۔ بیربل نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

اس نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

''کس نے سکھایا ہے تمہیں یہ؟''

''کیا؟''

''یہی کہ ناں کا مطلب ناں نہیں ہوتا؟ فلموں نے؟ کہانیوں نے؟ ہوں؟'' ماہر نے پیر نیچے اتارے اور ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔ پھر شیشے کی کیتلی سے سرخ چائے اپنی پیالی میں ڈالنے لگا۔

''میں نے ہر جگہ یہی ہوتے دیکھا ہے' دوست۔ شروع میں لڑکیاں نخرے کرتی ہیں۔ پھر مان جاتی ہیں۔''

''تمہارے پولیس اسٹیشن میں ہومی سائیڈ (قتل) ڈیپارٹمنٹ کس فلور پہ ہے؟''

''چوتھے۔''

''کبھی دو فلورز نیچے جاؤ۔ اسالٹ اور بیٹری (مار پیٹ) ڈیپارٹمنٹ میں۔ تمہیں وہاں بہت سے ایسے ٹاکسک بوائے فرینڈز اور شوہر قید ملیں گے جنہیں ناں کو ہاں میں بدلنے کا خبط تھا۔'' وہ چائے کی دھار پیالی میں انڈیل رہا تھا۔ وہ دونوں بالکل خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

''جو مرد عورت کے ناں کہنے کے باوجود اس کو ہاں میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں' وہی ٹاکسک پارٹنرز بنتے ہیں۔'' اس نے گرم پیالی اٹھائی اور پیچھے ہو کے بیٹھا۔ پھر ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ ''اور میں ایسے مردوں میں سے نہیں ہوں۔''

''لیکن اپنی محبت کے لیے کوشش تو کرنی چاہیے۔''

''کوشش کرنے ہی واپس گیا تھا۔ کوشش ایک دفعہ ہوتی ہے۔ یا دو دفعہ۔ بار بار تعاقب ہوتا ہے' بیربل آفندی۔'' اس نے رک کے گرم چائے کا گھونٹ بھرا۔ وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔

''ایک مرد کو عورت کے انکار کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر وہ کہے اس کی زندگی سے نکل جاؤ' تو نکل جانا چاہیے۔''

''لیکن ہو سکتا ہے وہ لڑکی ناں کہہ کے اپنا نقصان کر رہی ہو۔ تم اس کے لیے بہترین انتخاب ہو۔ پھر؟'' بیربل کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

''مرد عورت کی طرف سے فیصلہ نہیں لے سکتا۔ وہ اپنے ساتھ بھلائی کرے یا نقصان' یہ فیصلہ اس عورت کا ہونا چاہیے۔ کسی مرد کو کسی عورت کے انکار کو اقرار میں بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کم از کم ماہر فرید ایسا مرد نہیں بن سکتا۔''

''بالفرض...'' چنگیز کھنکھارا۔ ''وہ کسی غلط آدمی سے شادی کر لیتی ہے اور کئی برس بعد اسے احساس ہوتا ہے کہ اس نے غلط کیا۔ تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا۔''

''ہم سب اپنے حصے کی غلطیاں کرتے ہیں' کومسار بے۔ یہ اس کے حصے کی غلطی ہو گی۔ میں نے جسے چھوڑ دیا۔ اسے چھوڑ دیا۔'' وہ پھر سے نیچے کشتیوں کو دیکھنے لگا تھا۔ ان میں لگے رنگ برنگے قمقمے روشن تھے۔

چنگیز اور بیربل نے افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر اس کو۔ نیم روشن ٹیرس میں اس کے چہرے کی تکلیف واضح تھی۔

''لیکن تم دکھی ہو۔''

''ظاہر ہے میں دکھی ہوں۔ یہ میرے حصے کا دکھ ہے۔ مجھے کاٹنا ہے۔'' اس نے چائے کا ایک اور گھونٹ بھرا۔ آواز آہستہ تھی۔

''کیا معلوم وہ پچھتا رہی ہو۔'' بیربل سے اس محبت کی کہانی کا یہ انجام برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ ''اتنے دن ہو گئے ہیں۔ کال کر کے اس کی خیریت ہی پوچھ لو۔''

ماہر نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ لبوں پہ وہی اداس مسکراہٹ تھی۔

''پچھتائے گی تو خود کال کرے گی۔ میں پیچھے جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

اور اسی لمحے جیب میں رکھے فون میں تھرتھراہٹ ہوئی۔ ماہر فرید نے عام سے انداز میں موبائل نکالا۔

گرین آئیز کالنگ۔

اسکرین پہ یہ الفاظ چمک رہے تھے۔

لمحے بھر کے لیے بوسفورس کے کنارے پھیلی ساری دنیا رک گئی۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ہاں۔اب کیا فائدہ۔''وہ مہندی کی رونق پہ نظریں جمائے بڑبڑائی۔''خود سے اس نے کبھی سچ نہیں بولا۔ ہمیشہ جھوٹ کہا۔ باتیں چھپائیں۔ میں بھی کس کا غم لیے بیٹھی ہوں۔''

''غم کے ساتھ غصہ بھی ہے۔تمہیں اس غصے کو باہر نکالنا ہے تا کہ تمہیں closure ملے۔''

''کیسے؟''وہ اس کی طرف جھک کے اونچی آواز میں بولی۔

''اسے کال ملاؤ۔ابھی۔اور اس کو بہت سی گالیاں دو۔''

اسی پل میوزک بند ہو گیا۔صفورا نے جلدی سے آواز نیچے کی۔گالیوں کے لفظ پہ ساتھ سے گزرتے چند افراد نے مڑ کے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں اس کو مر کے بھی کال نہیں کروں گی۔''وہ تیزی سے بولی۔چہرے کی رنگت سرخ ہوئی۔

''پھر اس کو ذہن سے نکال دو۔کھرچ دو۔''

مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔صفورا کی بات اس کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

''جو شخص اتنے جھوٹ بول سکتا ہے'وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔اور مجھے انسانوں کی پہچان کہاں ہے۔''

اس سے پہلے کہ صفورا جواب دیتی'اس کے بچوں کی نینی اسے بلانے چلی آئی۔اس کی بیٹی رو رہی تھی۔صفورا اپنا کاؤنسلنگ سیشن بھول کے ساڑھی سنبھالتی فوراً اس طرف لپکی۔ مالا نے سر دائیں سے بائیں ہلایا۔بچوں کی مائیں۔اُف۔

''کشمالہ...''چوڑیوں کی کھنک۔جھمکوں کی چھنکار۔چہکتی آواز۔وہ اس طرف پلٹی اور مسکرا دی۔

سامنے رامین کھڑی تھی۔اس کی سب سے خوبصورت کلاس فیلو۔وہ یونیورسٹی میں سب سے زیادہ تیار ہو کے آتی تھی۔کلاس فیلو سے شادی ہوئی اور آج تک وہ ویسی ہی نک سک سے تیار ہوتی تھی۔انسٹاگرام پہ ان کا پرفیکٹ کپل گاہے بگاہے نظر آ جاتا تھا۔

''مالا...مجھے بہت افسوس ہوا سن کے...''رامین حال احوال کے بعد کہنے لگی۔

''اب ماں بہت بہتر...''

''تمہاری جاب اور کیریئر ... سب ختم ہو گیا۔سوسوری۔ظہیر نے بالکل اچھا نہیں کیا۔''اسی پل کسی نے میوزک پھر سے آن کر دیا تھا۔کانوں کے پردے پھاڑتی آواز کے باوجود رامین کی ''چچ'' دب نہ سکی۔

کشمالہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ لب کھولے لیکن پھر گہری سانس لی۔ بہت سے الفاظ روک لیے۔ وہ ماہی نہیں تھی جو منہ توڑ جواب دے دیتی۔ وہ مالا تھی۔

''تھینک یو۔ ایکسکیوز می۔'' وہ پرس اور موبائل اٹھائے آگے بڑھ گئی۔ ایک دم تنفس بے ربط سا ہو گیا تھا۔ ہال کی دیواریں تنگ ہو گئی تھیں اور آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

(کیا یہ تمہارا defense mechanism ہے؟ سامنا کرنے کی بجائے فرار اختیار کرنا؟)

خاموش ہو جاؤ۔ اس نے ذہن میں ابھرتی آوازوں کو ڈپٹا۔ ذرا دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر دل نے سرگوشی کی۔

کیا واقعی یہ تمہارا defense mechanism ہے؟ کیا اسی لیے تم ماں کو چھوڑ کے اسلام آباد چلی گئی تھیں؟

وہ پینسل ہیلز سے چلتی ہوئی مارکی کے واش رومز کی طرف آ گئی۔

پہلے ایک بڑا سا Powder Room بنا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ سنک کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور دیوار گیر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

(میں بھی کس کا غم لے رہی ہوں۔ ایسے شخص کا جس نے مجھے جاب لیس کیا۔ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔)

کم مائیگی کا احساس، رامین کی نظریں، سب جیسے دل میں گڑ گیا تھا۔ اس نے نل کھولا اور ہاتھ نیچے کیے ہی تھے کہ ایک دم کسی نے اس کو گردن سے دبوچ لیا۔

چیخ کشمالہ کے حلق میں رہ گئی۔ اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ گردن پہ رکھے۔ وہ ایک بوڑھا ہاتھ تھا جس کی نسیں ابھری ہوئی تھیں۔ اور وہ اس کی گردن کو زور سے دبا رہا تھا۔ لیکن وہ ہاتھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے چیخنا چاہا، اس ہاتھ کو اپنے گردن سے کھینچنا چاہا، لیکن ساری ہمت ختم ہو چکی تھی۔

ایک جھٹکے سے نادیدہ ہاتھ نے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ زور سے اوندھے منہ نیچے جا گری۔ سر دیوار سے لگا اور لمحے بھر کے لیے ساری دنیا گول گول گھوم گئی۔

''ماں... ماں...'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں لیے دیوار کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔ تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔ اس نے گردن پہ ہاتھ رکھا۔ کچھ گیلا سا محسوس ہوا تھا۔ مالا نے ہاتھ اوپر کر کے چہرے کے سامنے کیے۔ بصارت دھندلی ہو رہی تھی کہ سر ابھی تک چکرا رہا تھا۔

اس کے ہاتھ پہ خون کا ننھا سا قطرہ تھا۔

وہ بدقت اٹھی اور سلیب کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔ جو کندھا دیوار سے لگا تھا وہ شدید درد کر رہا تھا۔ سر کے پیچھے بھی گومڑ سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں اور آئینے میں خود کو دیکھا۔

اس کی گردن سرخ ہو رہی تھی۔ اس پہ باقاعدہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کا نشان تھا۔ اور اس پہ کچھ اور بھی تھا۔ درمیان میں ایک جگہ ننھا سا کٹ جس سے دو تین قطرے خون بہا تھا۔ اس نے یاد کرنا چاہا۔ کچھ نوکیلا سا چبھا تھا اس کو۔ نہ جانے کیا تھا۔

مالا نے نل کھولا اور پانی ہاتھوں میں بھرا۔ پھر اسے چہرے پہ ڈالا۔ جلتی آنکھوں کو قدرے سکون ملا۔ پھر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ لیکن کوئی تھا۔

وہ تیزی سے دروازے تک آئی۔ ہینڈل گھمایا۔

وہ لاک تھا۔

کشمالہ مبین کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ اس نے زور سے ناب گھمایا۔ وہ جامد رہا۔

''کوئی ہے؟ ہیلو؟'' وہ زور زور سے دروازہ بجانے لگی۔ Powder Room کی دیواریں تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ گرمی۔ حبس۔ گھٹن۔

اتنے شور کے باوجود کسی کو اس کی آواز سن لینی چاہیے تھی۔ لیکن کوئی اس طرف نہیں آیا۔

اس نے اطراف میں دیکھا۔ دائیں بائیں۔ اپنے پیچھے۔ چہرے کی رنگت آہستہ آہستہ نچڑنے لگی۔

سلیب پہ اس کا پرس رکھا تھا۔ اس نے جلدی سے موبائل نکالا۔ سامنے واٹس ایپ انباکس کھلا تھا۔ اس کی انگلیوں نے دماغ سے رابطہ چھوڑ دیا۔ وہ خود بخود اسکرین پہ چلنے لگیں۔ ماہر فرید کے نمبر پہ وہ رکیں اور اسے کلک کیا۔

دوسری جانب گھنٹی جانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ موبائل اسکرین کو بجتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ دونوں اسے۔

''ایکسکیوز می۔'' وہ تیزی سے موبائل لیے اٹھا اور اندر لاؤنج میں آیا۔

اسی پل موبائل خاموش ہو گیا۔ محض دو گھنٹیاں ہی ہوئی تھیں۔

اس کی انگلیوں نے بنا سوچے سمجھے کال بیک کا بٹن دبایا اور فون کان سے لگا لیا۔ ساری دنیا ساکت ہو چکی تھی۔ اس کو صرف اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز آ رہی تھی۔

کال آگے سے کاٹ دی گئی تھی۔ بے رحم سی ٹوں ٹوں بجنے لگی۔

ماہر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے ہاتھ نیچے گرا دیا۔

''خیریت؟'' اسے خاموش چہرے کے ساتھ باہر آتے دیکھ کے چنگیز نے پوچھا۔ ماہر نے سر جھٹکا۔

''شبنم تھی۔ شاید غلطی سے کال کی تھی۔'' اس کی آواز پست تھی۔ ان کو دیکھے بنا وہ واپس اپنی کرسی پہ بیٹھا۔ چائے کی پیالی کو دوبارہ نہیں چھوا۔ وہ دونوں آپس میں کوئی اور بات کرنے لگے۔ ماہر خاموشی سے موبائل اسکرین کو دیکھے گیا۔

وہ ننھا سا آلہ اب خاموش تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ میں کیا کر رہی ہوں؟ ابھی دو گھنٹیاں ہی گئی تھیں کہ اس نے جلدی سے کال کاٹ دی۔ پھر گھبراہٹ سے ماتھے کو چھوا۔ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا؟

ایک دم فون جگمگانے لگا۔ اسی نمبر سے کال آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اسے کاٹ دیا۔

کیا سوچتا ہو گا وہ؟ اتنے دھڑلے سے کہا تھا اسے نہیں بلاؤں گی۔ پھر؟ اُف مالا۔ اُف۔

اس کے اوسان اب بحال ہو رہے تھے۔ اس نے جلدی سے صفورا کو کال ملائی۔ طویل گھنٹیاں جانے لگیں۔ لیکن جواب ندارد۔

وہ ایک دفعہ پھر دروازے تک آئی اور زور سے اس کو بجایا۔ ہتھیلیاں اب سرخ پڑ کے درد کرنے لگی تھیں۔

کوئی کیوں نہیں آ رہا تھا؟ یا شاید... اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ گردن کی سرخی ہنوز برقرار تھی۔ شاید کوئی اس کی آواز کو دبا رہا تھا۔

کوئی ابھی بھی اس کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

اس نے جلدی سے سر پہ دوپٹہ لیا اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کے تیز تیز آیت الکرسی پڑھنے لگی۔ خوف، بے بسی، الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

کلک کی آواز آئی اور دروازہ کھلا۔ ایک لڑکی اپنا بچہ لیے مصروف سے انداز میں اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے دیکھتی کشمالہ اپنا پرس اٹھائے تیزی سے باہر لپکی۔

ہال میں آ کے اس نے چند گہرے گہرے سانس لیے۔ اردگرد بہت سے لوگ تھے۔ کیمروں کے فلیش لائٹ۔

ہنسی کی آوازیں۔ وہ اپنے پیروں پہ گول گول گھومی۔

وہ اب بھی اس کے تعاقب میں تھا۔ وہ شخص جس کے پاس اس کی تصویر تھی۔

''ماہر فرید کے پاس ایک البم تھا۔ اس میں آپ کی تصویر تھی۔'' کیف جمال کا کہا گیا فقرہ ذہن میں گونجا۔

میں جس آدمی کا غم لیے بیٹھی ہوں' وہ اس عامل کے ساتھ ملوث ہے۔ وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ بار بار اس کے جرائم یاد کرنے پڑتے تھے ورنہ دل ان کو بھلا دینے کے لیے تیار تھا۔

وہ تیز قدموں سے خارجی راستے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے گھر جانا تھا۔ اور اسے معلوم تھا اسے گھر جا کے کیا کرنا ہے۔ عامل اسے ڈرا کے کیا پیغام دینا چاہ رہا تھا' کشمالہ مبین کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بوسفورس کنارے ایک کشتی کے اندر دو لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ جیسے فوج کے بچھڑے دوست کافی عرصے بعد ملے ہوں۔ ایک ترکش لوک گیت گنگنانے لگا اور دوسرے اس کو سن رہے تھے۔ ان کی آوازیں چند منزلیں اوپر اس نیم روشن ٹیرس تک سنائی دے رہی تھیں۔

''وہ سمجھتی ہے تم اس عامل کے ساتھ ملوث ہو جس کو وہ خواب میں دیکھتی ہے؟'' چنگیز سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ترکش لوگوں کی مڈل کلاس کی اکثریت جادو' جنات اور نظر کو مانتی تھی۔ اور وہاں جگہ جگہ ایسے hodja (مولوی) بیٹھے تھے جو جادو کا علاج کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔

''میں نے اسے بتایا ہے کہ وہ ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔ لیکن وہ میرا یقین نہیں کرتی۔'' ماہر نے کافی دیر بعد فون اسکرین سے نگاہیں ہٹائیں۔ شاید اب اس اسکرین کو روشن نہیں ہونا تھا۔

''تمہیں پہلے اس عامل کو ڈھونڈنا چاہیے تاکہ اسے بطور ثبوت اس کے سامنے پیش کر سکو اور....''

''چنگیز...'' ماہر نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے پہلے ہلال کو ڈھونڈنا ہے۔''

چنگیز اور بیربل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر اس نے ہلکے سے سر جھٹکا۔

''آف کورس۔''

ٹیرس پہ خاموشی چھا گئی۔ اوپر لٹکے قمقمے چپ چاپ اپنے نیچے بیٹھے تین نوجوانوں کے تاثرات پڑھ رہے تھے۔

''کیا اس نے واقعی زیاد کو اپنی زندگی سے نکال دیا ہے؟'' چنگیز نے پھر سے کوشش کی۔

''نہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش نظر آ رہے تھے۔'' وہ موبائل کی بجھی ہوئی اسکرین دیکھ رہا تھا۔

''اپنی رقابت ایک طرف رکھ کے بتاؤ۔ وہ....(چنگیز نے بیربل کو دیکھ کے دہرایا) ٹال' ڈارک اور ہینڈسم کیسا آدمی ہے؟''

''ہینڈسم نہیں ہے وہ۔'' ماہر نے زور سے موبائل میز پہ رکھا۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ بیربل نے مسکراہٹ روکنے کے لیے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''اس کے علاوہ کوئی بری بات؟''

ماہر نے نیچے کھڑی کشتی کو دیکھا۔ وہ کنارے پہ پانی کے ساتھ ہلکا ہلکا سا جھول رہی تھی۔

''بس وہ مجھے نہیں پسند۔''

''ہو سکتا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوں' ماہر۔'' بیربل کھنکھارا۔ ''شاید تمہیں ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے۔''

کچھ تھا بیربل کے انداز میں کہ ماہر چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ ''دیکھو اگر دو لوگ آپس میں محبت کرتے ہوں تو ان کے درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

''اچھا' بیربل آفندی؟'' وہ بغور اپنے بھائی کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''دو محبت کرنے والوں کو شادی کرنے کی مکمل آزادی ہونی چاہیے۔''

ماہر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھے گیا۔ بیربل نظر ملائے بغیر کہے جا رہا تھا۔

''یہ ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنا لائف پارٹنر اپنی مرضی سے منتخب کرے۔''

چنگیز نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو ہو بیٹھا۔

''کھل کے بات کرو۔''

بیربل نے تھوک نگلا۔ پھر مسکرا کے ان دونوں کو دیکھا۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

چنگیز کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ وہ حیران نہیں ہوا تھا۔ اس نے پیچھے کو ٹیک لگائی' سینے پہ بازو لپیٹے اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''اس دفعہ تم کس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟''

زور اس دفعہ پہ تھا۔

''اس کا نام حازان ہے۔ وہ میری بیکری سے صبح کافی لینے آتی ہے۔ ہم پہلے اچھے دوست بنے اور اب ہم شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ دونوں خاموشی سے سن رہے تھے۔ بیربل کی آواز پر اعتماد ہونے لگی۔

''وہ خوبصورت ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔ (وہ کہہ رہا تھا اور ماہر انگلیوں پہ گن رہا تھا۔) اس نے لٹریچر میں ماسٹرز کیا ہے۔ اور...''

''اور لالچی ہے۔'' ماہر نے کھلے ہاتھ کی ایک انگلی بند کی۔

''اور چالاک بھی۔'' چنگیز نے اپنے ہاتھ کا انگوٹھا موڑا۔

''تمہاری دولت کے پیچھے ہے۔'' ماہر نے آخری انگلی مٹھی میں بند کی۔

''بلکہ تمہارے جیسے تین چار پھنسا رکھے ہوں گے۔ تم جلدی شادی پہ مان گئے۔ وہ مان نہیں رہے ہوں گے۔''

چنگیز نے ماہر کو دیکھا اور وہ دونوں بے اختیار ہنس دیے۔

بیربل چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکا۔ پھر اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

''تم لوگ...'' اس نے مٹھی بھینچی۔ ''تم اس کو جانتے بھی نہیں اور...''

''وہ تمہیں جانتی ہے بی؟'' ماہر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پیر جھلا رہا تھا۔ ''کیا اسے معلوم ہے کہ تمہارے پاس تمہارے باپ کی دولت اگلے چار سال تک نہیں آئے گی؟''

''اس کو اس سے فرق نہیں پڑتا۔''

''کیا وہ جانتی ہے؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''میں اسے بتا دوں گا۔'' بیربل نے تھوک نگلا۔

''بتا دوں گا..'' ماہر ہلکا سا ہنسا۔ چنگیز نے بھی ہنس کے سر جھٹکا۔

''آہ بیربل... تم کب سمجھو گے۔''

بیربل نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ لب ایک دوسرے میں پیوست کیے۔

''تم لوگ بغیر کسی کو جانے یا سمجھے اس کے بارے میں اتنی گھٹیا سوچ کیسے رکھ سکتے ہو؟''

''چلو... جان لیتے ہیں۔'' ماہر مسکراہٹ دبا کے سیدھا ہوا۔ ''آج ہی اس کو اپنی حقیقت بتاؤ۔ پھر دیکھو وہ کیا کرتی ہے۔''

''میں بتاتا ہوں وہ کیا کرے گی۔'' چنگیز نے ہنستے ہوئے کیتلی اپنی پیالی میں پھر سے انڈیلی۔ سرخ دھار پیالی

میں گرنے لگی۔

''پہلے وہ کہے گی' مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' بیربل... '' آواز باریک کرتے ہوئے شکردان کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''غم ہو یا خوشی' میں تمہارے ساتھ ہوں بیربل۔'' ماہر نے شکردان اس کے سامنے کیا۔

''پھر وہ تمہارا فون اٹھانا کم کردے گی... '' چنگیز نے شکر کی دو ڈلیاں چائے میں گرائیں۔

''اس کے بعد ملنا کم کردے گی۔'' ماہر اب اسے چمچ اٹھا کے دے رہا تھا۔

''پھر کچھ دن بعد وہ کہے گی' اٹس ناٹ یو' اٹس می بیربل۔ ہم اچھے دوست بن کے الگ ہو جاتے ہیں۔'' چنگیز آواز کو باریک کر کے کہہ رہا تھا۔ ماہر بے اختیار ہنس دیا۔

''اور اس کے بعد میرے یار... '' چنگیز نے اپنے بھاری ہاتھ سے سامنے بیٹھے بیربل کا کندھا تھپکا۔ ''تم اگلی لڑکی کی طرف چلے جاؤ گے اور وہ اگلے شکار کی طرف۔''

بیربل نے غصے سے اپنا کندھا پیچھے کیا۔ اس کا چہرہ لال بھوکا ہو رہا تھا۔

''تم دونوں... '' اس نے دانت کچکچائے۔ چنگیز چائے میں شکر مکس کر رہا تھا۔ اور ماہر... وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستا جا رہا تھا۔

''میں جس سے شادی کی بات کرتا ہوں' تم اس کے بارے میں یہی کہتے ہو ماہر۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولا۔

''کیا میں کبھی غلط ہوا ہوں؟'' ماہر نے انگلی کی نوک سے آنکھ میں آیا پانی صاف کیا۔

''اس دفعہ تم غلط ہو۔ میں ثابت کر کے دکھاؤں گا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ سب سے مختلف۔''

''مختلف۔'' ٹیرس پہ پھر سے ایک قہقہہ گونجا۔ بیربل پیر پٹخ کے کھڑا ہوا۔

''تم دونوں مجھ سے اپنے الفاظ کے لیے معافی مانگو گے۔''

''دیکھتے ہیں۔'' ماہر نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ بیربل چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔

''اللہ کرے' کشمالہ اس ہینڈسم زیاد سے شادی کر لے۔''

ماہر کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ بیربل نے بے بسی سے چنگیز کو دیکھا۔

''اور اللہ کرے تمہاری بیوی کسی کے ساتھ بھاگ جائے۔''

چنگیز زور سے ہنسا۔ ''میری تو کوئی بیوی ہی نہیں ہے۔''

''کیونکہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ چکی ہے۔'' وہ چلا کے بولا اور دھاڑ سے دروازہ کھول کے اندر چلا گیا۔ ان دونوں کا قہقہہ پھر سے گونجا تھا۔

فیضی حانم کچن فریج میں کچھ رکھ رہی تھیں۔ بیربل گلابی چہرہ لیے ان کے سامنے رکا۔

''اگر صبح میں اپنے کمرے میں مردہ پایا جاؤں' تو ان دونوں کو میرے جنازے پہ مت آنے دینا۔''

فیضی حانم نے چہرہ اٹھا کے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''مگر کل تو میری چھٹی ہے۔''

''اف... '' وہ پیر پٹخ کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دھاڑ سے دروازہ بند ہونے کی آواز باہر ٹیرس تک سنائی دی۔

چنگیز کی مسکراہٹ اب کم ہو چکی تھی۔ وہ پرسوچ نظروں سے ٹیرس کی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''چار سال بعد اس کو اپنی دولت مل جائے گی' ماہر۔ تب یہ ان لالچی عورتوں سے کیسے بچے گا؟''

چار سال بعد بیربل نے تیس سال کا ہو جانا تھا۔ ان کے باپ کی وصیت کے مطابق' اگر وہ اپنی کمپنی کو ان کے مختص کیے گئے معیار تک نہیں لے جا سکتا' تب بھی تیس برس کی عمر میں اس کو اس کا ٹرسٹ فنڈ مل جائے گا۔

''تب کی تب دیکھیں گے۔'' وہ باہر پھیلی رات کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ہنسی اب غائب تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورچ میں کار کھڑی کر کے وہ تیزی سے باہر نکلی۔ لوہے کے بیرونی زینے سامنے تھے۔ وہ ہیلر سے بدقت زینے پھلانگتی اوپر آئی۔

اسٹوڈیو کا دروازہ کھولا تو وہ خاموش پڑا تھا۔ سامنے ایک اسٹینڈ رکھا تھا جس پہ اسکیچ کرنے کے لیے کاغذ آویزاں تھا۔ مالا قدم قدم چلتی اس کاغذ کے قریب آئی۔ پھر بے اختیار گردن پہ ہاتھ رکھا۔ اس وقت کوئی اس کا گلا نہیں دبا رہا تھا۔ لیکن گلا دبانے کی وہ تکلیف اسے یاد تھی۔

''مجھے تمہارا پیغام مل گیا ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ آگے بڑھی اور اسکیچ بک کا صفحہ پھاڑ دیا۔

''میں تمہارا اسکیچ نہیں بناؤں گی۔'' وہ اس صفحے کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔

''تنگ آ گئی ہوں میں تم سے۔ اور اس انسان سے جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔'' اس نے ٹکڑے زور

سے اچھالے۔ وہ اوپر تک گئے اور پھر تیزی سے اس کے اطراف میں گرتے چلے گئے۔

''چھوڑ دو تم میرا پیچھا۔ بس کر دو۔ تم یہی چاہتے تھے کہ میں زیاد سے شادی نہ کروں۔ نہیں کر رہی میں اس سے شادی۔'' وہ ایڑھیوں پہ گھومتی اطراف میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ بظاہر وہاں کوئی نہیں تھا۔

''میں صرف اپنی ماں کے ساتھ خوش رہنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ دائیں دیکھا۔ پھر بائیں۔ وہاں خاموشی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی اس کا پیغام عامل تک پہنچ جائے گا۔

اس نے گردن پہ ہاتھ رکھا۔ وہاں مٹر کے آدھے دانے جتنا سرخ نشان موجود تھا۔ خون کے تین چار قطرے نکل کے جم گئے تھے۔ لیکن وہ قطرے کشمالہ مبین کو ہلا دینے کے لیے کافی تھے۔ وہ جتنا اس عامل کا تعاقب کرے گی' اتنا ہی وہ اسے ڈرائے گا۔ اسے اب اپنے تعاقب کار کو نظر انداز کر کے اپنی زندگی میں واپس جانا ہوگا۔

جس وقت وہ اسٹوڈیو کی سیڑھیاں اتر کے واپس نیچے جا رہی تھی' ہر طرف خاموشی اور سکوت تھا۔ نہ کوئی آواز تھی نہ کھڑک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنی کال کوٹھڑی میں موجود سرکار نے اپنے سامنے زمین پہ رکھی تصویریں دیکھیں۔ ایک مسکراہٹ اس کے بوڑھے چہرے پہ بکھر گئی۔ اس کی سماعت میں کسی نادیدہ مخلوق کی آواز گونج رہی تھی۔ پھر اس نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے۔ ہم اسے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں گے۔''

اس نے سامنے رکھی کشمالہ اور زیاد کی تصاویر ایک طرف کیں۔ پھر ایک اور تصویر نکال کے اپنے چہرے کے قریب کی۔

وہ بھوری آنکھوں والی مسکراتی ہوئی ماہ بینہ کا چہرہ تھا۔

''ایک ماہ بعد اس کا بچہ ہونا ہے۔ لیکن نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کے اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے نادیدہ موکلات کو دیکھا۔

''اگر ہم یہ بچہ مارنے میں کامیاب ہو گئے' تو ہماری پاور کئی گنا بڑھ جائے گی۔ ہمارے جادو جلد اثر کریں گے۔ ہم جو چاہے کر سکیں گے۔''

اس نے قریب رکھی ایک صندوقچی کھولی۔ اندر سے ایک ننھا سا گڈا نکالا۔ یہ بازار سے خریدا گیا کوئی سستا سا

بے بی ٹوائے تھا۔

''یہ بچہ اس دنیا میں نہیں آنا چاہیے۔'' عامل کے ہاتھ اس بے بی کے کپڑے اتار رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ برہنہ ہوگیا۔ پھر اس نے ساتھ رکھی سوئیوں میں سے ایک سوئی نکالی اور اسے گڈے کے دل کے مقام پہ اندر گھسا دیا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلی ویک کے اس سفید گھر کے لاؤنج میں ماہی بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹہ لپیٹے' وہ تسبیح ہاتھ میں لیے ہوئے تھی۔ دوسرے ہاتھ سے موبائل سامنے کر رکھا تھا۔ وہ نماز پڑھ کے ہٹی ہی تھی کہ ماں کی کال آ گئی۔ وہ خود اب صحت مند اور ہشاش بشاش لگتی تھیں۔ البتہ اسے دیکھ کے فکر مند ہوگئی تھیں۔

''پاکستان آجاؤ ماہی۔ وہاں اکیلے کیسے ڈلیوری کرواؤ گی؟''

''جیسے گوریاں بچے پیدا کرتی ہیں' ماں۔ یہاں بہت ہیلپ مل جاتی ہے۔ سب ہو جائے گا۔''

''نہیں بیٹے۔ پاکستان آجاؤ۔ میں ہوں گی یہاں۔ مالا ہے۔ بختو ہے۔ بیٹے یہ بڑا مشکل وقت ہوتا ہے۔''

عباد کمرے سے نکل کے کچن کی طرف آ رہا تھا۔ اس بات پہ چہرہ گھما کے ماہی کو دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ خاموشی سے کچن کیبنیٹ کا دروازہ کھولا اور کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''میں ڈلیوری کے فوراً بعد آجاؤں گی۔ پکا پرامس۔''

جیسے ہی ماہی فون بند کر کے دوبارہ تسبیح اٹھائی' عباد کیبنٹ بند کر کے اس کی طرف گھوما۔

''تم کہو تو ہم پاکستان چلے جاتے ہیں۔ بزنس کلاس۔ ڈائریکٹ فلائٹ۔ تم آرام سے سفر کر لو گی۔''

''اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں' عباد۔ اسی مہینے کے آخر میں ڈلیوری ہے۔ اور پھر..'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''پچھلی دو دفعہ بھی سفر کرنے کی غلطی کی تھی۔ ہر دفعہ اسی کمبخت دوہا ائیر پورٹ پہ کچھ نہ کچھ ہو جاتا تھا۔ میں اس دفعہ رسک نہیں لے سکتی۔''

''لیکن ڈاکٹر نے کہا ہے تم سفر کر سکتی ہو۔ فی الحال سب کچھ ٹھیک ہے۔''

ماہی نے بھوری آنکھیں اٹھا کے عباد کو دیکھا تو وہ بھیگی ہوئی تھیں۔

''تم مانو یا نہ مانو' کبیرہ تائی کی ہمارے بچے سے پرانی دشمنی ہے۔ وہ اس بچے کو دنیا میں نہیں آنے دینا چاہتیں۔ میری بے احتیاطی ان کو راستہ دے گی۔'' اس نے تسبیح پھر سے اٹھالی۔

''یار کس کے پاس اتنا ٹائم ہوتا ہے کہ کسی کے بچے پہ جادو کروائے۔ میں مانتا ہوں ان باتوں کو لیکن اب تم کچھ زیادہ ہی وہم کرنے لگی ہو۔'' وہ سر جھٹک کے کیبنیٹ سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''میں تم سے زیادہ پاکستان جانے کی خواہش رکھتی ہوں۔ میرے دل سے پوچھو۔ ماں جب سے بیمار ہوئی ہیں' میں ان سے نہیں ملی۔ ان کی خدمت کا موقع مجھے نہیں ملا۔ مالا اور معید کو ملا ہے۔ لیکن جیسے ہی بے بی پیدا ہوگا... '' دھڑکتے دل سے کہا' ''ان شاء اللہ ہم پہلی فلائٹ سے پاکستان جائیں گے۔''

''فوراً نہیں جا سکیں گے' ماہی۔ پہلے بے بی کا NICOP (شناختی کارڈ) بنے گا۔ تیس پینتیس دن لگیں گے۔''

''ہم نائیکو بنتے ہی چلے جائیں گے نا۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔ ''ویسے بھی ماں اب ٹھیک ہیں۔ تب تک وہ مزید بہتر ہو جائیں گی۔''

عباد اپنی مطلوبہ چیز تلاش کر کے وہاں سے چلا گیا اور ماہی خاموشی سے تسبیح پڑھتی رہی۔ دفعتاً فون پھر سے بجا۔ نمبر دیکھ کے اس نے گہری سانس لی۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''میں کئی دن سے آپ کو میسج کر رہی ہوں۔ آپ کہاں تھے' ماہر بے؟''

''بزی تھا۔ آج وقت ملا ہے۔ خیریت؟''

''مجھے مالا نے بتایا ہے کہ آپ نے اس کا ریستوران خریدا تھا۔ آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا۔'' اس کی آواز میں خفگی تھی۔

وہ دھیرے سے ہنسا۔ ''تم بھی اپنی بہن کی طرح مجھ پہ شک کر رہی ہو؟''

''شک نہیں کر رہی۔'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''لیکن سوال کرنا میرا حق بنتا ہے۔''

''مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا' ماہ بینہ۔ میں وہ کمپنی نہیں چلاتا۔ مالک چلاتا ہے۔''

''مالک کون؟'' ماہی کے ابرو مشکوک انداز میں اکٹھے ہوئے۔ فون اسپیکر پہ کر کے اس نے انسٹاگرام کھولا۔

''میرا چچا۔ اس نے ایک لبنانی گروپ کو اوشن خرید کے دیا ہے۔ ہماری کمپنی ہر روز ایسی خرید و فروخت کرتی ہے۔''

''کیا آپ نے مالک سے پوچھا کہ اس نے یہ کیوں کیا؟'' اس کا انگوٹھا اسکرین کو اسکرول کر رہا تھا۔

''نہیں۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔''

''یہ سفید بالوں والا ہے مالک؟''

''تمہیں کیسے معلوم؟'' وہ حیران ہوا۔

''آپ نے اسے انسٹا پہ فالو کیا ہوا ہے۔ دنیا بہت چھوٹی ہے ماہر بے اور یہ انگلیوں میں سما جاتی ہے۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''جاب کر لو لڑکی۔ ورنہ سارا دن گھر میں فارغ یہی کام کرتی رہو گی۔''

''مجھے شوق نہیں ہے جاب کا۔ میں اپنی گھر داری میں خوش ہوں اچھا۔'' تڑخ کے بولی۔ وہ خاموش رہا تو اس نے آواز دھیمی کی۔

''مالک نے مالا کا ریستوران کیوں بکوایا؟''

''اس سوال کا جواب وہی دے گا۔ میں نے جب اسے البم کی تصاویر دکھائی تھیں اور بتایا تھا کہ میں اس لڑکی کو ڈھونڈ رہا ہوں تو اس نے تین دن میں مجھے مالا کی معلومات لا دی تھیں۔ میں سمجھا اس کے پاس بہت کام کے بندے ہیں۔ لیکن نہیں۔ مالک مالا کو پہلے جانتا تھا۔ وہ اس سے مل چکا تھا۔ کب کہاں مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اس نے ہوٹل میں مالا سے ملنے کے لیے بیربل کو بھیجا۔ خود نہیں گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مالا اس کو پہچانے۔''

''یعنی عبدالمالک فرید کچھ چھپا رہے ہیں۔'' پھر اس کو یاد آیا۔ ''کبیرہ تائی کے نئے عامل کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

ماہر نے بے زاری بھری سانس خارج کی۔

''اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کتنے عاملوں کو پکڑیں گے؟ تم اپنا ایمان مضبوط رکھو۔ کچھ نہیں ہو گا تمہارے بچے کو۔''

ماہی کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''مجھے پھر سے برے خواب آنے لگ گئے ہیں۔''

''ہر چیز مکتوب ہے' ماہ بینہ۔ مکتوب۔ لکھی ہوئی۔ تمہارے بچے کی زندگی بھی۔ اور موت بھی۔ وہ اپنے وقت پہ آتی ہے۔ ایک دن اوپر۔ نہ ایک دن نیچے۔ کوئی جادو' کوئی جن اس کو اوپر نیچے نہیں کر سکتا۔''

ماہی کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے اور آنکھوں سے ایک آنسو ٹپکا۔

''مکتوب۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اگر میرے بچے کی زندگی اللہ نے لکھی ہوئی ہے' تو اسے کوئی مار نہیں سکتا۔''

''اسے کوئی مار نہیں سکتا۔'' اس نے نرمی سے دہرایا۔

ماہی پورے دل سے مسکرادی۔فون بند کیا ہی تھا کہ عباد باہر آتا دکھائی دیا۔اس کے چہرے پہ خفگی تھی۔

''تم یہ ٹھیک نہیں کر رہیں۔''وہ صوفے پہ اس کے پیچھے جھک کے کھڑا ہوا اور اس کے کندھے کے قریب کہنے لگا۔''تم مالا کے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو۔اس کو معلوم ہوا کہ تم ماہر سے بات کرتی ہو تو وہ بہت ناراض ہوگی۔''

''میں اسے بتادوں گی۔جب پاکستان جاؤں گی۔ابھی مجھے اسٹریس مت دو۔''

عباد افسوس سے سر جھٹک کے سیدھا ہوا اور واپس پلٹ گیا۔ماہی کے آگے بین بجانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

وہ پھر سے تسبیح پڑھنے لگی تھی۔

اگر اس کی اولاد مکتوب تھی تو دنیا کے سارے جادوگر اکٹھے ہو کے بھی اس کے بچے کو موت نہیں دے سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس تاریک کوٹھڑی میں زمین پہ چوکڑی مارے عامل سرکار کے سامنے آج بھی بہت سی تصاویر رکھی تھیں۔دھاگے۔مختلف اقسام کی روشنائیاں لیکن فی الحال اس کی توجہ ہاتھ میں پکڑے گڈے پہ تھی۔اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔انگلی میں ایک لمبی نوکیلی سوئی تھی۔

سرکار کے ہاتھ اس کی نوک کو سرخ روشنائی میں ڈبو ڈبو کے گڈے پہ لگا رہے تھے۔پہلے اس کے سینے کے درمیان صلیب کا نشان بنایا۔پھر باری باری ہر عضو پہ اس کا نوکیلا قلم کانٹے لگاتا گیا۔

''ماں کے پیٹ میں بچے کا ایک ایک عضو آہستہ آہستہ ضائع ہو جائے گا۔''سرکار کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔''یہاں تک کہ جب بچہ پیدا ہوگا'وہ مرا ہوا ہوگا۔''اس کی آواز میں جوش تھا۔

بچوں پہ کیے جانے والے جادو سرکار کو سب سے زیادہ پسند تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد کو کیمپین کی وجہ سے کچھ دن لاہور میں رکنا پڑ گیا۔دبئی جانے سے پہلے وہ ان سے ملنے مبین منزل آیا تھا۔معید اس کا پہلے ہی معترف تھا'اب اس کی نظروں میں زیاد کی عزت مزید بڑھ گئی تھی۔

بخت بی چائے لے آئیں۔ماں نے اپنے زمانے کا کوئی قصہ شروع کر دیا۔زیاد دھیمی آواز میں مسکرا مسکرا کے ان کے قصوں میں اضافہ کیے گیا۔ماہی کی طرح اسے بھی سب رشتے داروں کا علم تھا۔مالا اور معید ہنستے ہوئے سنتے گئے۔وہ دونوں رشتے داروں کی خبر رکھنے کے معاملے میں ایک جیسے تھے۔

''اب میں اجازت چاہوں گا۔''اس کی فلائٹ کا وقت قریب تھا۔وہ گھڑی دیکھتے ہوئے اٹھا تو نہ جانے کیوں

اس کا دل اداس ہوا۔

''جب بھی آیا کرو' ہم سے ضرور ملا کرو۔'' وہ ماں کے سامنے جھکا تو وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے تاکید کرنے لگیں۔

''اپنی امی کو سلام دینا۔''

''امی کے لیے دعا کیجیے گا۔ ان کے کچھ ٹیسٹ کروائے ہیں۔ رپورٹ کا انتظار ہے۔'' کچھ تھا اس کے لہجے میں۔ کچھ اداس۔ کچھ پریشان۔ کشمالہ چونکی۔ دل بری طرح دھڑکا۔ ایک اور ماں؟ نہیں۔

''تمہاری ماں بہت نیک ہے' زیاد۔ اس نے اپنے سسرال اور خاندان' سب کی بہت خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف نہیں دے گا۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

''ماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم آنٹی کے لیے دعا کریں گے۔''

وہ اسے چھوڑنے پورچ تک آئی۔ وہ کچھ مضطرب لگ رہا تھا۔

''زیاد وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' اس نے اس کا چہرہ دیکھ کے تسلی دی۔ وہ دونوں پورچ کی دھوپ میں کھڑے تھے۔ کمپنی کی کار ساتھ کھڑی ان کی منتظر تھی۔

''وہ ٹھیک نہیں ہوں گی۔'' زیاد نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھ کا کنارہ بھیگا ہوا تھا۔ ''ڈاکٹرز کو بلڈ کینسر کا شبہ ہے۔''

اس نے بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا۔ ایک اور ماں؟

''ان کو شاید خود بھی علم ہے کہ ان کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ وہ جلد از جلد میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' وہ دھوپ میں آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کار کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ماؤں کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے' زیاد۔ ان کی بات مان لیں۔ کوئی اچھی لڑکی ملے تو شادی کر لیں۔''

وہ زخمی سا مسکرا دیا۔

''میں عام سا انسان ہوں' کشمالہ۔ مجھے عام سی لڑکی ہی ملے گی۔''

''مل جائے تو اس کو کھونا مت۔'' حلق میں کچھ پھنس سا گیا۔ کیا اس نے غلطی کر دی تھی؟

زیاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ چلا گیا اور وہ کتنی دیر اس جگہ کو دیکھتی رہی۔

سلیم گیٹ بند کرنے لگا جب اسے ''مالا باجی'' کی آواز آئی۔ اس نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھا۔

''تم اتنی دھوپ میں یہاں کیا کر رہے ہو؟''

شلوار قمیض والا پٹھان بچہ کمر پہ ہاتھ رکھے شرماتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہی مسکرا کے اسے آتے دیکھے گئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آ گیا۔

''کیا چھپا رکھا ہے؟''

اس نے دونوں ہاتھ آگے کیے۔ ان میں موتیوں کے گجرے تھے۔

''آپ کی امی کے لیے۔'' وہ ہنس دی۔ پھر اس کی ہتھیلیوں سے گجرے اٹھائے اور ناک کے قریب لے جا کے سونگھا۔ خوشبو نے دھوپ اور گرمی کا احساس غائب کر دیا۔

''آپ نے کہا تھا مجھے فالتو رنگ دے دیں گی۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ دفعتاً اس کی نگاہ لان پہ پڑی۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔ لب بے یقینی سے کھل گئے۔

''آپ کے گھر میں موتیے کا پودا لگا ہوا ہے باجی؟'' اس نے شاک کے عالم میں کشمالہ کو دیکھا۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

''ہاں۔ لیکن تم پھر بھی مجھے روز گجرے لا کے دو گے۔''

بچے نے ایک مایوس نظر اپنے گجرے پہ ڈالی۔ ''لیکن...''

''میں تمہیں فالتو رنگ نہیں دوں گی۔ بلکہ میں تمہیں پینٹ کرنا سکھاؤں گی۔ سیکھو گے؟''

اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ شرما کے سر ہلا دیا۔

''اس کو اوپر میرے اسٹوڈیو میں لے جاؤ۔ میں آتی ہوں۔''

اس نے سلیم کو اشارہ کیا جو مشکوک نظروں سے اس پٹھان بچے کو گھور رہا تھا۔

''اور ان سب کا کیا؟'' اس کی شرماتی آواز پہ وہ چونکی۔ گیٹ کی طرف دیکھا۔ وہاں اس کی شکل والے چار اور بچے دانت نکالتے جھانک رہے تھے۔ ان کے لباس بے ترتیب اور ملگجے تھے۔ لیکن چہروں پہ انوکھی رونق تھی۔

کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔ ''ان کو بھی اوپر لے جاؤ۔'' وہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔

''یہ پلٹون کہاں سے جمع کر لی؟''

وہ ماں کے پاس واپس آئی تو دیکھا۔ وہ ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے باہر جمع ہوئے نمونوں کو دیکھ کے ماتھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھیں۔ دھڑ دھڑ کی آوازوں کے ساتھ وہ اوپری زینوں پہ بھاگ رہے تھے۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''ریستوران والا پروجیکٹ ختم ہو چکا ہے' ماں۔ نیا کام ملنے سے پہلے کچھ دن میں گھر پہ ہوں گی۔ اچھا ہے ان بچوں کو کچھ سکھا دوں گی۔'' وہ ان کے قدموں میں بیٹھی اور ان کے نرم بھری بھری کلائیوں میں گجرے پہنانے لگی۔ ماں نے مسکرا کے ان پھولوں کو دیکھا پھر اپنی بیٹی کے جھکے سر کو۔ وہ انہماک سے گجرے کی ہک بند کر رہی تھی۔

''ماہی سے کہو پاکستان آجائے۔ وہ وہاں اکیلے کیسے ڈلیوری کروائے گی۔'' ان کی ہر روز یہی تکرار ہوتی تھی۔

''وہ سفر کرنے سے ڈرتی ہے' ماں۔ ویسے بھی ستمبر کے آخر میں ڈلیوری ہوگی اور بے بی کا نائیکوپ اکتوبر کے آخر تک بن جائے گا۔ یکم نومبر کو وہ آپ کے پاس ہوگی۔''

مسکرا کے انگلیوں پہ تاریخیں گن کے بتائیں۔ پھر ایک دم وہ ٹھہر گئی۔ بالکل ساکت۔

(آپ کی ماں کے پاس چھے ماہ ہیں۔ آپریشن کروائیں یا نہ کروائیں۔)

ڈاکٹر ووہرا کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔ (آج یکم مئی ہے۔ چھے ماہ بعد یکم نومبر ہوگی۔ ڈاکٹر ووہرا کی ڈیڈ لائن۔)

اُف۔ اس نے سر جھٹکا۔ چہرے کی رنگت یکدم پیلی ہوئی۔ پھر ماں کو دیکھا۔ اب وہ تندرست ہو رہی تھیں۔ کل ہی ایم آر آئی کروایا تھا۔ منجیو مادو بارہ نہیں بڑھا تھا نہ اگلے دس پندرہ برس تک بڑھنے کا امکان تھا۔

ڈاکٹر ووہرا کی ٹائم لائن جھوٹی تھی۔ یکم نومبر آ کے گزر جائے گا۔ اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ وہ اب کوئی وہم نہیں پالے گی۔ نہ وہ اس عامل کو ڈھونڈے گی۔ نہ ہی وہ ان چکروں میں پڑے گی۔

اسے صرف ماں پہ فوکس کرنا تھا۔ ماں اور بچوں پہ۔ رنگوں اور پھولوں کے گجروں پہ۔

زیاد سلطان' ماہر فرید' عامل اور ڈاکٹر ووہرا کی ٹائم لائن... اسے ہر شے کو دماغ سے جھٹکنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ہر چیز قلم سے شروع ہوتی ہے۔''

(کشمالہ کے اسٹوڈیو کے بلائنڈز ہٹے ہوئے تھے۔ فرش پہ بچے نیم دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے۔ سب کے سامنے اسکیچ بکس تھیں اور وہ ان سب کو ایک ایک پنسل پکڑا رہی تھی۔ اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور سر پہ سبز رومال بندھا تھا۔)

''سب سے پہلے قلم کو بنایا گیا تھا۔''

(استنبول میں کیف کے کانفرنس روم میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ ان کے سامنے درجنوں نقشے پھیلے تھے۔ وہ

سربراہی جگہ پہ کھڑا' جھک کے قلم سے نقشے پہ ایک جگہ دستک دے رہا تھا۔ سامنے بیٹھے افراد خاموشی سے سر ہلاتے اس کو سن رہے تھے۔)

"پھر قلم سے ایک کتاب لکھوائی گئی تھی۔ لوح محفوظ۔"

(کبیرہ بیگم اپنے بیڈروم میں کھڑی تھیں۔ دو ملازمائیں ایک لمبے بیگ میں مقید ڈریس سامنے لٹکا رہی تھیں۔ کبیرہ کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ سے بیگ کی زپ نیچے کی۔ اندر ایک سیاہ لباس جھانک رہا تھا۔ نیا ڈیزائنر ویئر۔ کبیرہ اپنے پسندیدہ جنازوں کے لیے نئے لباس اور نئی جیولری بنوایا کرتی تھی۔ یہ لباس ماہی کے بچے کی موت کے لیے تھا۔

جب کینیڈا سے خبر آئے گی تو وہ یہی لباس پہن کے حورِ جہاں سے ملنے جائیں گی۔

کبیرہ نے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھی چیک بک کھولی۔ اور ایک قلم اٹھایا۔ پھر چیک پہ ایک رقم لکھ کے سائن کی۔ یہ اس عامل کے لیے تھی۔ جتنی رقم۔ اتنا مضبوط کام۔)

"اس کتاب لوح محفوظ میں ہم سب کی قسمتیں مکتوب کر کے بند کر دی گئی تھیں۔"

(ایک کوورکنگ اسپیس کی اونچی خالی دیوار کے ساتھ کشمالہ مبین بیٹھی تھی۔ اس کی گرفائٹ پینسل دیوار پہ اسکیچ بنا رہی تھی۔ اردگرد گزرتے لوگ رک رک کے ستائش سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی' کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے اور وہ بہت مہارت سے اپنا کام کر رہی تھی۔)

"قلم نے اس دنیا کی ہر چیز کو تخلیق میں آنے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔"

(ماہر کے آفس میں نیم اندھیرا سا تھا۔ کھڑکی کے ساتھ ایک بڑی میز کا اضافہ کر دیا گیا تھا جہاں ایک سرخ عمارت کے تین طرح کے ماڈل رکھے تھے۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سامنے ایک گرافک ٹیبلیٹ رکھا تھا جس پہ وہ مہارت سے ڈیجیٹل پین کے ذریعے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکا۔ ساتھ رکھا موبائل اٹھا کے دیکھا۔ گرین آئیز کی چیٹ کھولی۔ کوئی میسج نہیں۔ کوئی پکار نہیں۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ دل میں اٹھتے درد کو محسوس کیا۔

ایک لمحہ تھا۔ ماہر فرید نے اسے جی لیا۔ پھر آنکھیں کھولیں اور سپاٹ چہرے کے ساتھ پین پھر سے اٹھا لیا۔)

"اور اس قلم کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔"

(ماہی ہسپتال کے کمرے میں لیٹی تھی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ جسم کی کئی ہڈیوں کو توڑ دینے والی جیسی تکلیف

کے بعد وہ نڈھال تھی۔ عباد اس کے ساتھ کھڑا تھا اور مسکرا کے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ نرس نے کمبل میں لپٹا ایک ننھا سا وجود اس کے سامنے کیا۔

''بے بی گرل ہے۔ اور بہت صحت مند ہے۔''

مکتوب۔ وہ بڑبڑائی۔ پھر وہ ایک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے رونے لگ گئی۔ وہ ہنس بھی رہی تھی۔ اور وہ رو بھی رہی تھی۔)

''انسان کو قلم بہت دیر سے ملا تھا۔ اسے ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے استعمال کرنا شروع کیا تھا۔''

(عامل سرکار کے ہاتھ زعفرانی سیاہی میں ڈوبے قلم کو غصے سے اس گڈے پہ رگڑ رہے تھے۔ بے جان گڈا ساکت تھا۔ پھر اس نے زور سے قلم کو دو حصوں میں توڑ دیا۔ اس کا چہرہ سرخ بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''دفعہ ہو جاؤ تم سب۔ ایک کام نہیں کر سکے تم۔ ایک بچہ نہیں مار سکے۔''

اس نے گڈا اٹھایا اور پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا۔

عامل نے چہرے پہ آیا پسینہ آستین سے صاف کیا۔ پھر اپنے بوڑھے جھریوں زدہ ہاتھوں کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

ایک بچہ ہم نہیں مار سکے۔ ایک کمزور بچہ؟ اس کا سر شکست خوردگی سے دائیں بائیں ہل رہا تھا۔)

''بہت سے انسانوں نے قلم کے لکھے کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آج تک کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔''

(ماں صوفے پہ بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔ ساتھ موجود مالا نے موبائل ان کے سامنے پکڑ رکھا تھا۔ اسکرین پہ ماہی اور عباد نظر آ رہے تھے۔ ماہی ہنستے ہوئے گلابی کمبل میں لپٹی ننھی سی بے بی ان کو دکھا رہی تھی۔

''ہم نے اس کا نام حورِ عین رکھا ہے۔ حور جیسی آنکھوں والی۔''

''حورعین۔'' ماں مسکراتے ہوئے بچی کی سبز آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کا عکس تھی۔

ان کے ہاتھ میں دو نوکیلی سلائیاں تھیں جن پہ وہ مہارت سے انگلیاں چلاتے ہوئے اون کا گولہ بن رہی تھیں۔ ماہی کی بیٹی کی گلابی سوئیٹر کے گھر ایک کے بعد ایک چڑھ رہے تھے۔)

''قلم کے لکھے کو ''قدر'' کہتے ہیں۔ اور قدر کو کوئی شے نہیں بدل سکتی۔ نہ کوشش۔ نہ جادو۔ نہ بددعا۔''

(''دفعہ ہو جاؤ تم۔ ناکام عامل۔ فراڈ۔ میں تمہیں اتنا پیسہ کھلاتی رہی اور تم ایک بچے کو نہیں مار سکے۔'' کبیرہ فون پہ چیختے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بی بی ہم نے چالیس دن تک چلا کاٹا لیکن...''

کبیرہ نے زور سے موبائل دیوار پہ دے مارا۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے فرش پہ بیٹھی تھی۔ مسلسل رونے کے باعث ان کی آنکھوں کا سارا کاجل بہہ گیا تھا۔اور اب وہ سیاہ اور متورم ہو رہی تھیں۔انہوں نے ایک نظر وارڈروب کے ساتھ آویزاں ڈیزائنر ڈریس پہ ڈالی۔پھر گھٹنوں پہ رکھا ایک فوٹو فریم دیکھا جسے وہ کافی دیر سے پکڑے ہوئے تھیں۔

اس میں ایک چھوٹے بچے کی تصویر مسکرا رہی تھی۔گورا چٹا' خوبصورت بچہ۔کبیرہ نے تصویر کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔آنسو پھر سے بہنے لگے۔)

''قدر کو صرف ایک شے تبدیل کر سکتی ہے۔وہ ہے دعا۔''

(زیاد ایک ڈاکٹرز کلینک میں بیٹھا تھا۔اس کا چہرہ زرد اور جھکا ہوا تھا۔ڈاکٹر میکانکی انداز میں قلم سے پیڈ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔پھر اس نے سر اٹھا کے زیاد کو دیکھا اور افسوس سے نفی میں سر ہلا لیا۔

''زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے ان کے پاس۔''

ایک آنسو زیاد کی آنکھ سے نکلا اور اس کے سانولے چہرے پہ گرتا گیا۔اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایک سال۔'' وہ بڑبڑایا۔)

''دعا نیچے سے اوپر جاتی ہے۔اور قدر اوپر سے نیچے آتی ہے۔جو زیادہ طاقت ور وہ' فتح اس کی ہوتی ہے۔''

(کشمالہ نرمی سے ماں کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔وہ سہج سہج کے قدم اٹھا رہی تھیں۔وہ مسکرا کے انہیں اگلا قدم رکھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔پھر اس نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ماں نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔اب آپ خود چلیں گی۔بغیر سہارے کے۔'' وہ چند قدم پیچھے ہٹی۔ماں نے جھجکتے ہوئے ایک قدم رکھا۔پھر دوسرا۔بنا سہارے کے وہ دھیرے دھیرے اپنے پیروں پہ چلنے لگی تھیں۔

مالا مسکراتے ہوئے انہیں اپنے قریب آتے دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔اور لب مسکرا رہے تھے۔)

''قلم کے لکھے کا ایک وقت ہوتا ہے۔اس وقت سے نہ پہلے کچھ ملتا ہے نہ بعد میں۔ہر انسان کو اپنا وقت پورا کرنا ہوتا ہے۔''

(ماہی اور عباد کے سفید لاؤنج میں ایک کاٹ رکھا تھا جس میں کمبل میں لپٹی ننھی گڑیا سو رہی تھی۔ماہی کچن سنک

پہ نل کھولے کھڑی پانی سے برتن گزار رہی تھی جب گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ پونچھے اور پردہ ہٹا کے گلاس ڈور کھولا۔ سردی کی ایک لہر اندر آئی۔

کوریئر بوائے نے ایک قلم اس کی طرف دستخط کے لیے بڑھایا۔ اس نے ناسمجھی سے اس کے ٹیب پہ دستخط کیے۔ پھر اپنے نام آیا لفافہ لیے اندر آئی۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اسے چاک کیا۔

اندر ایک نائیکوپ تھا۔ حورِ عین عباد کا نائیکوپ۔

ماہی نے بے اختیار چیخ روکنے کے لیے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''حور... حور...'' وہ بھاگتی ہوئی کاٹ میں لیٹی بچی تک آئی۔

''تمہارا نائیکوپ آ گیا۔ بے بی۔ اب ہم پاکستان جا سکتے ہیں۔ اوہ میرے اللہ۔ ہم ماں کے پاس جا سکتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔

اس نے ایک نظر دیوار پہ لگے کیلنڈر کو دیکھا۔ آج اٹھائیس اکتوبر تھی۔ اس نے پہلے سے انتیس کی شام کی فلائٹ بک کر رکھی تھی۔ کینیڈا سے جرمنی۔ جرمنی سے قطر۔ اور قطر سے پاکستان۔ پھر وہی دوہا ائیر پورٹ آئے گا درمیان میں۔ لیکن خیر۔ یکم نومبر کی صبح وہ پاکستان میں ہو گی۔

وہ ایک سال سے ماں سے نہیں ملی تھی۔ لیکن ان کی بیماری کے یہ آخری چھے ماہ چھے سال پہ محیط تھے۔ اب بالآخر تکلیف ختم ہونے والی تھی۔

وہ اپنی ماں سے ملنے جا رہی تھی۔)

''ہر انسان اس قلم کے لکھے کا پابند ہے۔ اسے اپنا مکتوب وقت پورا کرنا ہی ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یکم نومبر کی صبح ایک خوبصورت خواب سے ہوئی تھی۔

کشمالہ کی آنکھ آہستہ سے کھلی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ آج بند آنکھوں کے دوسری طرف کوئی ڈراؤنا خواب نہیں آیا تھا۔ آج اس نے ایک خوبصورت ایک پیارا خواب دیکھا تھا۔ وہ چند لمحے اپنے خواب کو سوچتی رہی۔ نہ جانے اس کا کیا مطلب تھا۔

پھر فجر کی اذان پہ اس کی توجہ بھٹکی۔ بیڈ پہ حرکت ہوئی تو اس نے کہنی کے بل پہلو بدلا۔ ماں پیر بستر سے اتارتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی وہ سو کے اٹھنے کی دعا پڑھ رہی تھیں۔

''جاگ گئیں؟'' اس نے مسکرا کے ان کی پشت کو دیکھ کے پوچھا۔ وہ سائیڈ ٹیبل کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہاں۔ لیکن آج میں فجر کے بعد سوؤں گی۔'' انہوں نے گھڑی دیکھی۔

مالا مسکرا دی۔ ماں فجر کے بعد نہیں سوتی تھیں لیکن آج صبح ماہی نے پہنچنا تھا۔ وہ اس کے استقبال کے لیے پوری طرح سے تازہ دم ہونا چاہتی تھیں۔

''سوچ رہی ہوں اب تمہارا کمرہ چھوڑ کے اپنے کمرے میں منتقل ہو جاؤں۔'' جب وہ باتھ روم سے وضو کر کے نکلیں تو یونہی کہنے لگیں۔ ''کیوں؟''

تم ڈسٹرب ہوتی ہو گی نا' بیٹے۔'' وہ گیلے آستین نیچے کر رہی تھیں۔

وہ بے اختیار ہنس دی۔ ''چھے ماہ بعد خیال آیا کہ میں ڈسٹرب ہوتی ہوں گی۔ صاف صاف کہیں۔ آپ کی فیورٹ بیٹی آ رہی ہے اور آپ اس کے کمرے میں شفٹ ہونا چاہتی ہیں۔'' مالا جانتی تھی ماہی کے سامنے معید اور وہ بہت پیچھے چلے جائیں گے۔ وہ ایسی ہی تھی۔ آئے گی اور چھا جائے گی۔

وہ محض مسکرا دیں۔ پھر سفید دوپٹہ سر پہ لپیٹا۔ اور بیڈ کے کنارے پہ بیٹھیں۔ دوپٹہ کانوں کے پیچھے اڑسا۔ چند سفید بال باہر کو جھانکنے لگے۔ مالا نے ان کے بالوں کی سفیدی کو دیکھتے ہوئے ''اوہ'' میں لب گول کیے۔

''ماہی کے آنے سے پہلے آپ کا ہیئر ڈائی لگا دوں گی۔ ورنہ وہ بہت بولے گی۔'' کانوں کو باری باری چھوا۔ ماں نے ہلکے سے ہنس کے سر جھٹک دیا۔

ان کو نماز پڑھتے چھوڑ کے وہ باہر چلی گئی۔ باہر ابھی اندھیرا تھا۔ جب وہ واپس آئی تو ہاتھ میں موتیے کے پھولوں کی ٹوکری تھی۔ ماں نے سلام پھیرا اور چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں ان کی سبز آنکھوں کے گرد جھریاں صاف دکھائی دیتی تھیں۔

''ماہی دوہا پہنچ گئی ہو گی۔'' وہ ساتھ ساتھ زیرِ لب اذکار پڑھ رہی تھیں۔

''جی۔ کہہ رہی تھی بہت کوشش کی کہ کہیں اور سے اچھی فلائٹ مل جائے لیکن اس کا ناپسندیدہ ائیر پورٹ پھر سے آ گیا درمیان میں۔'' مالا نے موتیے کے پھول ان کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھے۔

''میں اب سوؤں گی' بیٹے۔'' وہ سیدھی ہونے لگی تھی جب ماں نے اپنا بھاری جھریوں زدہ ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ اس نے مسکرا کے انہیں دیکھا۔ وہ بھی مسکرائیں۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن پھر خاموش رہیں۔ اور

اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔ نہ جانے کیا کہنے لگی تھیں۔ یونہی اپنا خواب یاد آیا۔

''آپ آرام کریں۔ میں آج آپ کے نئے کپڑے نکلواتی ہوں۔ ماہی کو اپنی ماں ٹپ ٹاپ پسند ہے۔ ہیئر ڈائی بھی کیجیے گا اور میک اپ بھی۔''

وہ الماری کی طرف آئی اور اس کو کھول کے ان کے کپڑے دیکھنے لگی۔ جب سے ماں بیمار ہوئی تھیں' معید اور مالا کی ساری توجہ ان کی صحت پہ تھی۔ خوراک۔ دوائیں۔ ان کے نئے کپڑے بہت بنوائے تھے۔ خیر۔ ماہی آ رہی ہے نا۔ وہی کرے گی یہ کام۔

''ماں آپ کے لیے چائے بنوا دوں؟''

''میں سوؤں گی' بیٹے۔'' انہوں نے بازو ماتھے پہ رکھے رکھے کہا۔ وہ نیند میں جا رہی تھیں۔ ساتھ ہی وہ زیرِ لب کوئی اذکار پڑھ رہی تھیں۔ مالا جانتی تھی وہ ماہی کے آنے سے پہلے کا وقت جلد از جلد کاٹنا چاہتی تھیں۔

وہ سو گئیں اور ان کے سانس کی آواز کمرے میں گونجنے لگی تو وہ باہر چلی آئی۔

باہر ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔ آج یکم نومبر تھی۔ اور ہر چیز ٹھیک تھی۔

اس کے سارے خوف' سارے واہمے پیچھے رہ گئے تھے۔

اس کی زندگی کی کہانی بالآخر مکمل تھی۔ کیا تھا جو اس میں ایک مرد نہیں تھا۔ اسے مرد نہیں چاہیے تھا۔ اسے اپنی ماں چاہیے تھی۔

وہ موتیے کے پودے تک آئی اور چند پھول اتارنے لگی۔ ماہی کو بھی پھول پسند تھے۔ سوچا لاؤنج میں بھی رکھ دے گی تاکہ اس کے آتے ہی سارے گھر میں سے خوشبو محسوس ہو۔ ماہی کی عادت تھی کہ گھر میں داخل ہوتے ہی ہر جگہ نقص نکالے گی۔ فلاں چیز ٹھیک نہیں۔ یہ جگہ پہ نہیں۔ ہونہہ۔ ماہی نہیں تھی تو کسی نے گھر کا خیال نہیں رکھا۔ اور واقعی وہ آتے ہی گھر کا سارا بگڑا حلیہ درست کر دیا کرتی تھی۔

پھول توڑتے ہوئے اپنے خواب کے بارے میں سوچنے لگی۔ ابھی کیا دیکھا تھا اس نے؟

مالا نے آنکھیں بند کیں۔ ایک منظر نظروں کے سامنے بنتا گیا۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ سامنے ماں وہیل چیئر پہ بیٹھی ہیں۔ اس کے کمرے کی چوکھٹ پہ۔ پیچھے کوئی چھوٹے قد کی عورت وہیل چیئر تھامے ہوئے ہے۔ وہ ماں کو دیکھ کے مسکراتی ہے۔ وہ بھی چہرہ اٹھا کے اسے دیکھتی ہیں۔ پھر مسکراتی ہیں۔

وہ ان کے قدموں میں بیٹھ کے ان کے ہاتھ تھام لیتی ہے۔

''آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟ میں آپ کو چھوڑ کے چلی گئی تھی ایک دفعہ۔''

''نہیں بیٹے۔ میں نے تو ساری باتیں بھلا دی ہیں۔ میں ناراض نہیں ہوں۔'' وہ بھی مسکراتی ہیں۔ ان کی آنکھیں بہت چھوٹی ہیں۔ حقیقت سے بھی چھوٹی۔ پھر وہ آگے بڑھتی ہے اور ان سے گلے ملتی ہے۔ اس کے سیاہ اسکارف کی نرمی اسے محسوس ہوتی ہے...

پھول توڑتا اس کا ہاتھ رک گیا۔ سیاہ اسکارف؟ وہ چونکی۔ ماں نے خواب میں اسکارف لے رکھا تھا۔ کالا سیاہ اسکارف جس سے صرف چہرہ نظر آتا تھا۔ ایسا اسکارف انہوں نے پہلے کب لیا تھا؟

ہاں۔ اسے یاد آیا۔

احرام کا سیاہ اسکارف۔ جب وہ حج کرنے گئی تھیں۔

اللہ کے گھر۔

کسی کانٹے سے انگلی ٹکرائی۔ خون کی بوند ٹپکی۔ پھول ہاتھ سے گرے۔ وہ ایک دم اندر بھاگی۔

''ماں... ماں...''

وہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اسی طرح کروٹ لیے سو رہی تھیں۔ وہ ان کے سرہانے جھکی اور تیزی سے ان کو جھنجھوڑا۔

''ماں۔ ماں...''

ان کی رنگت سفید تھی۔ اور بند ہوئی آنکھیں بہت چھوٹی لگ رہی تھیں۔

مالا نے کپکپاتے ہاتھ سے ان کا ماتھا چھوا۔

وہ ٹھنڈا تھا۔ برف جیسا ٹھنڈا۔

''ماں۔ میری ماں۔'' وہ چیختے ہوئے ان کا چہرہ تھپتھپا رہی تھی۔

وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ صرف سناٹا تھا۔

اور سفید چہرے پہ ایک پرسکون سی مسکراہٹ تھی۔ ایک آواز تھی جو ہر طرف سنائی دے رہی تھی۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''میں نے ساری باتیں بھلا دی ہیں۔''

ہر چیز سلو موشن فلم کی طرح ہو رہی تھی۔ ایسی فلم جس میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی پیچھے ہٹتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی کمر کھڑکی سے جا لگی۔

اس نے بھاگتے ہوئے معید کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ بخت بی اونچا اونچا رو رہی تھیں۔

معید ان کی کلائی پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ پھر گردن پہ۔ وہ کچھ پکار پکار کے کہہ رہا تھا۔

اسے صرف لب ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ معید ان کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیر کے انہیں بند کر رہا تھا۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

کوئی آواز نہیں تھی۔ کوئی صدا نہیں تھی۔ معید زمین پہ بیٹھے اپنا سر بیڈ سے لگائے رو رہا تھا۔ بخت بی روتے ہوئے ان کے چہرے کے گرد کپڑا لپیٹ رہی تھی۔

اور وہ ساکت سی کھڑکی سے کمر ٹکائے کھڑی تھی۔ جامد۔ مبہوت۔ لب کپکپا رہے تھے۔ آنکھوں سے بے آواز آنسو گر رہے تھے۔ لیکن آنکھیں اسی طرح شاک کے عالم میں کھلی تھیں۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہ بینہ فرید حمد انٹرنیشنل ائیر پورٹ (دوہا) کے ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس نے لمبا کوٹ پہن رکھا تھا اور اسکارف سر پہ لپیٹے ہوئے تھی۔ اسے آج کچھ زیادہ ہی ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ ساتھ اسٹرولر میں لیٹی ننھی حور خاموشی سے سو رہی تھی۔

بالآخر گیٹ کھلنے کی اناؤنسمنٹ سنائی دینے لگی۔ وہ بالآخر مسکرا دی۔ اور کاٹ میں لیٹی سوتی ہوئی بچی کو دیکھا۔

''حور... بس پانچ گھنٹے بعد ہم لاہور میں ہوں گے۔ ماں کے پاس۔''

وہ اسٹرولر دھکیلتے ہوئے اٹھی ہی تھی کہ اس کا فون بجا۔ اس نے نکال کے دیکھا۔ واٹس ایپ پہ سلیم کی کال آ رہی تھی۔ اُف۔ جب سے اس نے سلیم سے کہا تھا کہ اسے گھر میں ہونے والی ہر بات کی اطلاع کرتا رہے' اس کی ہر روز ہی کال آتی تھی۔ اس نے عجلت میں فون کان سے لگایا۔

''کتنی دفعہ بتاؤں' تمہاری شلٹیں لا رہی ہوں۔''

''ماہی باجی... ماہی باجی...''

ماہی کو پہلے تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ رو رہا ہے یا ہنس رہا ہے۔

''کیا ہوا سلیم؟ اونچا بولو۔'' اردگرد انا ؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ اس نے دوسرے کان پہ ہاتھ رکھ کے سننا چاہا۔ وہ کہیں راستے کے بیچ کھڑی تھی۔

''ماہی باجی آپ کہاں ہیں؟'' وہ اونچا اونچا رو رہا تھا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا۔

''کیا ہوا ہے؟ بولو نا۔''

''بڑی بی بی فوت ہوگئی ہیں۔''

اس کے کانوں میں سلیم کی آواز گونجی۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ کون تھا؟ بڑی بی بی کون تھی؟

''کیا مذاق ہے' سلیم؟ کیا کہہ رہے ہو؟'' اس کو اپنی آواز چلاتی ہوئی سنائی دی۔

وہ کون تھی؟ اسٹرولر میں لیٹی بچی کون تھی؟

''ان کا ہارٹ فیل ہوا ہے۔ سوتے میں۔'' وہ روتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''ماہی باجی.... بڑی بی بی فوت ہوگئی ہیں۔''

سینے میں کچھ زور سے آ کے لگا۔ جیسے دور سے اڑتا ہوا کوئی تیر ہو۔ ماہی کو لگا اس کے سینے سے خون ابلنے لگا ہے۔

''بکواس کر رہے ہو تم۔ یہ مذاق ہے کوئی ہاں؟ میں ایئر پورٹ پہ ہوں۔ ایئر پورٹ پہ۔'' وہ چلائی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''ماہی باجی بڑی بی بی چلی گئیں۔''

''سلیم اس کو کیوں کال کر رہے ہو؟ ڈفر۔ جاہل۔'' پیچھے سے معید کی چلاتی آواز آئی۔ کسی نے فون کھینچا۔

''ماہی...''

''معید... معید...'' وہ ایک ہاتھ سینے پہ رکھے اونچا اونچا چلا رہی تھی۔ اردگرد لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔

''معید مجھے سچ بتاؤ۔ میری ماں ٹھیک ہے؟''

''ماہی...'' وہ بھی ایک دم بچوں کی طرح رونے لگا۔

''ماہی تم کیوں نہیں آئیں؟''

''معید میری ماں کہاں ہے؟'' وہ چیخی۔

''ماں چلی گئیں۔''

فون پھسل کے نیچے جا گرا۔ اس نے دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ لیے۔ چہرہ آنسوؤں سے یوں تر تھا جیسے بارش سے گیلا ہو۔ وہ اونچا اونچا رو رہی تھی۔

''میری ماں... میری ماں...''

لوگ بھاگتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔ اسے دھندلی آنکھوں اور اپنی چیخوں کے درمیان میں کہیں سیکیورٹی گارڈ نظر آیا۔ کسی نے پانی کی بوتل بڑھائی۔ ایک بچے کی رونے کی آواز۔

''یہ بچہ کس کا ہے؟''

''میم... آپ نے بورڈنگ کرنی ہے؟ گیٹ کلوز ہونے والا ہے۔''

مگر وہ کوٹ والی لڑکی زمین پہ بیٹھے اونچا اونچا رو رہی تھی۔

''میری ماں نے میرا انتظار نہیں کیا۔ کیوں؟ کیوں؟'' وہ اوپر دیکھتے ہوئے روتے ہوئے کسی سے پوچھ رہی تھی۔

بچی کے حلق پھاڑ کے رونے کی آواز بھی ساتھ شامل ہو گئی تھی۔ کوئی اسے کندھے سے جھنجھوڑ رہا تھا۔

''کیوں؟ کیوں؟'' وہ گردن اٹھائے اوپر کسی سے پوچھ رہی تھی۔

''میں آ رہی تھی۔ میں راستے میں تھی۔ کیوں میری ماں چلی گئی؟ کیوں؟''

کسی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا۔ ماہی نے سر اٹھا کے اپنے اردگرد دیکھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں۔ مختلف ملکوں کے لوگ۔ کسی نے اسٹرولر اس کی طرف بڑھایا۔

ہر روتا بچہ ماں کو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے صرف اس کی ماں سنبھال سکتی ہے۔

وہ کس کے پاس جائے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ ہمسائیوں سے لوگ آنے لگے تھے۔ کچھ لوگ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ کچھ عورتیں اندر مالا کے کمرے میں۔ کسی نے ششدر سی مالا کو ماں کے ساتھ کرسی پہ بٹھا دیا تھا۔

وہ بس گم صم تھی۔ اس کے کھلے بال چہرے کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔ وہ وہ گردن ترچھی کیے ماں کے سوتے وجود کو دیکھ رہی تھی۔ آنسو آنکھوں سے گر رہے تھے۔ لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''بیٹا رولو۔ اونچا اونچا رولو۔ اندر سے غم نکالو۔'' کسی رشتے دار خاتون نے کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اونچا رونے کے لیے آواز چاہیے ہوتی ہے۔ آج ساری آوازیں دم توڑ گئی تھیں۔

کوئی اس کے ساتھ آ کے بیٹھا۔ اس نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ پھر سوچنے کی کوشش کی کہ وہ کون تھیں۔ ہاں۔ اسے یاد آیا۔ اس پٹھان بچے کی ماں انہی کے گھر کام کرتی تھی۔ یہ ان کے ہمسائے سے آئی تھیں۔ ڈاکٹر سلیمہ۔ ادھیڑ عمر خاتون۔ فٹ اور اسمارٹ سی۔ باب کٹ بال۔ وہ دنیا گھومتی تھیں۔ سوشل ورک کرتی تھیں۔ ان کے بچے ڈاکٹرز تھے اور شادی شدہ تھے۔ ماں کی دوست تھیں۔ پہلے بھی آتی تھیں۔

وہ اس کے ساتھ بیٹھ کے افسوس کرنے لگیں۔ اس نے چہرہ پھیر لیا۔ اس وقت اسے کچھ نہیں سننا تھا۔

''ماہی سے بات ہوگئی ہے۔ اس نے فلائٹ لے لی ہے۔ وہ جنازے سے پہلے پہنچ جائے گی۔''

معید نے اندر داخل ہوتے ہوئے بتایا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور گیلی تھیں اور وہ نڈھال لگتا تھا۔ مالا نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ ابھی تک نائٹ سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ کسی نے اسے دوپٹہ دیا جو اس نے میکانکی انداز میں کندھوں پہ لپیٹ لیا تھا۔ نیچے سے بال دوپٹے میں چھپ گئے۔ چہرے کے اطراف میں اسی طرح الجھے ہوئے سے گر رہے تھے۔

بخت بی اندر آئی اور ایک دفعہ پھر ہائے میری باجی کہہ کے ماں کا چہرہ دیکھ کے اونچا اونچا رونے لگی۔

''کوئی میری ماں کی موت پہ بین نہیں ڈالے گا۔'' معید ایک دم اونچی آواز میں غرایا۔ بخت بی کو چپ لگ گئی۔

''میری ماں نے ساری عمر اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ آپ کے بین سے ان کو تکلیف ہوگی۔ میں بتائے دے رہا ہوں۔'' اس نے سب خواتین کو دیکھ کے انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ ''کوئی ماتم نہیں کرے گا نہ بین ڈالے گا۔ جس نے رونا ہے (آواز کانپی) ہلکی آواز میں روئے۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کے گر رہے تھے۔ یہ کہہ کے اس نے کرسی کھینچی اور ساتھ بیٹھ گیا۔ ایک دم خاموشی چھا گئی۔ پھر کسی نے ہمت کر کے اسے کہا۔

''بیٹا باہر قناتوں کا انتظام کروایا ہے۔''

''مجھے نہیں پتہ۔'' معید نے ہاتھ جھلا کے سر جھٹکا۔ اور جھک کے ماں کا ٹھنڈا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اس پہ اپنا چہرہ رکھا اور بے آواز رونے لگا۔

وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی نے اسے پکارا لیکن وہ نہیں رکی۔ ننگے پیروں سے چلتی کچن تک آئی۔

''میں فجر کے بعد سوؤں گی۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

کچن میں خاموشی تھی۔ لاؤنج والی خواتین بھی اندر جا چکی تھیں۔ ابھی صبح کے سات بجے تھے۔ ہر گزرتی گھڑی کے ساتھ رش بڑھتا جائے گا۔ اسے کچھ دیر کے لیے تنہائی چاہیے تھی۔

وہ خالی کچن کاؤنٹر پہ آ بیٹھی۔ چپ۔ گم صم۔ آنسو اسی طرح بہہ رہے تھے۔ اس نے چاہا کہ کھل کے رو لے۔ اونچا اونچا۔ بھلے بین ہی ہو۔ ماتم ہی ہو۔ لیکن آواز نہیں نکلی۔ لب کھولے ہی تھے کہ

''ہیچ اے شاک' کشمالہ۔'' ہیل کی ٹک ٹک کی آواز پہ وہ چونکی۔ چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ڈاکٹر سلیمہ وہیں چلی آ رہی تھیں۔ ان کے باب کٹ بھورے بال بلو ڈرائی سے سیٹ تھے۔ کلف لگا دوپٹہ سر پہ تھا۔

مالا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ اس وقت اکیلے ہونا چاہتی تھی۔

''میں کچھ دیر میں جانے والی ہوں۔ میری نیویارک کی فلائٹ ہے۔'' انہوں نے اپنی ایپ واچ دیکھی۔ پھر اس کو دیکھا جو لاتعلق سی کھڑی تھی۔

''تم ابھی شاک میں ہو۔ یہ grief کی پہلی اسٹیج ہوتی ہے۔''

''مجھے grief کی ساری اسٹیجز معلوم ہیں' آنٹی۔ ساری اسٹیجز ختم ہو گئی ہیں۔'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''میری ماں کے ساتھ سب ختم ہو گیا ہے۔''

''کیا واقعی؟'' وہ اس کے عین سامنے آ رکیں۔ کمان جیسے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

کشمالہ نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔

''آج میری اور میری ماں کی کہانی ختم ہو گئی۔'' گرم گرم پانی آنکھوں سے گرنے لگا۔

''کشمالہ...''

''میں وہیں آ رہی ہوں۔ آپ بیٹھیں۔'' اس نے رخ پھیر لیا۔ وہ یہاں اکیلے ہونا چاہتی تھی۔ یہ پیچھے کیوں آ گئی تھیں؟

''میری ماں کی ڈیتھ کو چالیس سال ہو گئے ہیں۔ تب میں شاید اکیس برس کی تھی...''

''آپ کو پانی دوں؟'' وہ چہرہ موڑ کے گلاس الٹ پلٹ کرنے لگی۔

شاید پانی لبوں سے لگے تو وہ خاموش ہو جائیں۔ اسے خاموشی چاہیے تھی۔

''میں اس وقت تم سے چھوٹی تھی...'' وہ کاؤنٹر کے ساتھ کہنی رکھ کے کھڑی کہہ رہی تھیں۔ اس نے بے چینی

سے پہلو بدلا۔ وہ اپنی ماں کی موت کا بتا رہی تھیں۔ کینسر ہوا تھا انہیں۔ مالا ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اکیلے ہونا چاہتی تھی۔ ہر چیز سے دور۔ فرار۔ یہی اس کا ڈیفنس میکنزم تھا۔

''میری ماں کی موت کے بعد میری ایک سرجری تھی۔ میرے ہارٹ میں ایشو تھا۔''

''میں ذرا کسی کو کال کر لوں۔ قناتوں کے لیے...'' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ موبائل کہاں تھا۔ اُف وہ انہیں یہاں سے کیسے ہٹائے۔

''سرجری سے پہلے جب انہوں نے مجھے اوٹی میں لٹایا تو...''

جیب میں۔ موبائل نائٹ سوٹ کی جیب میں تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل نکالا اور کسی کو کال ملانے لگی۔ کس کو۔ اسے خود نہیں معلوم تھا۔ بس وہ چاہتی تھی کہ وہ خاموش ہو جائیں۔ شاید انہیں احساس ہو جائے کہ وہ نہیں سن رہی۔

وہ ابھی تک کچھ کہہ رہی تھی۔ مالا کپکپاتی انگلیوں سے نمبر ملانے لگی۔ اسکرین پہ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

دوسری طرف رنگ ٹون جا رہی تھی۔ ڈاکٹر سلیمہ اور رنگ ٹون کی آواز آپس میں گڈمڈ ہونے لگی۔

''اس روز مجھے ایک راز معلوم ہوا۔''

کسی خواب کی سی کیفیت میں کشمالہ نے چہرہ اٹھایا۔ فون والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ رنگ ٹون سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بس ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ حیران، عجیب آنکھوں سے۔

وہ کچھ کہہ رہی تھیں۔ کچھ جو اسے سننا تھا۔

''کیا؟''

وہ دو قدم قریب آئیں۔ اور مسکرائیں۔ ان کے چہرے پہ مدھم سی جھریاں پڑ گئیں۔

''ہر وہ بچہ جس کی ماں مر جاتی ہے، اس کو ایک راز تھمایا جاتا ہے۔ ایک ایسا راز جس سے وہ لوگ واقف نہیں ہیں جن کی مائیں زندہ ہیں۔''

وہ ساکت سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ آنسو رک گئے تھے۔

''کچھ بچے اس راز پہ کان لپیٹ لیتے ہیں۔ اور کچھ... کچھ اسے سنتے ہیں۔ غور سے....''

وہ بنا پلک جھپکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ راز ان بہت سے لوگوں کو معلوم ہے جن کی مائیں ان کی زندگیوں سے چلی گئی ہیں۔ لیکن ان بچوں نے دنیا

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

والوں کے ساتھ ایک بہت بڑی زیادتی کی۔ انہوں نے اس راز کو خود تک روک لیا۔" انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "میں نہیں روکنا چاہتی۔ چالیس سال پہلے میری ماں مری تھی۔ آج تمہاری ماں مری ہے۔ اس لیے میں تمہیں ایک راز بتانا چاہتی ہوں۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟ میری اور میری ماں کی کہانی تو ختم ہو گئی۔"

"اور اگر میں تم سے یہ کہوں کشمالہ..." ان کی آواز مدھم ہوئی اور آنکھیں بھیگ گئیں۔

"کہ تمہاری اور تمہاری ماں کی اصل کہانی اب شروع ہوئی ہے.... تو؟"

وہ جہاں تھی ساکت رہ گئی۔ ساری دنیا تھم گئی۔

"کیسے؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قریباً گھنٹے بھر بعد کشمالہ مبین اپنے کمرے میں واپس داخل ہوئی تو اس کا چہرہ وہ نہیں تھا۔ کچھ تھا جو وہاں بدل گیا تھا۔ کچھ خواتین خود ہی ماں کی میت کو لاؤنج میں منتقل کروا رہی تھیں کہ اب وہاں رش بڑھ گیا تھا۔ ایسے میں وہ الماری تک آئی اور اندر سے ایک فیروزی لباس نکال کے بخت بی کی طرف بڑھایا۔

"استری کر دیں۔" اس کا چہرہ اور آنکھیں خشک تھیں۔ بخت بی جو خود رو رو کے نڈھال سی بیٹھی تھی، چونک کے اسے دیکھنے لگیں۔ لیکن کشمالہ کے چہرے پہ صرف سنجیدگی تھی۔ انہوں نے ہچکچاتے ہوئے سوٹ تھام لیا۔

"اپنی ساری بیٹیوں کو کال کریں۔ ان سے کہیں کہ فوراً یہاں پہنچیں۔ جنازے اور اس کے بعد کے سارے معاملات ان کو سنبھالنے ہوں گے۔" وہ سنجیدگی سے ہدایات دے رہی تھی۔

"بانو سے کہنا لازمی آئے۔ بانو کو بچوں کا تجربہ ہے۔ ماہی کی بچی کو سنبھالنا ہوگا۔ اور سلیم سے کہیں، مہمانوں کے لیے چائے بنائے اور سب سے ناشتے کا پوچھے۔"

وہ تاکید کر کے آگے بڑھ گئی۔ بخت بی عجیب نظروں سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

باتھ روم میں آتے ہی اسے زور کا چکر آیا۔ اس نے دیوار کو تھام لیا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔ بہت سے آنسو روکے۔

(تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔)

اس نے اپنے زرد پڑتے چہرے پہ بہت سا پانی ڈالا۔ جلتے انگاروں کو ٹھنڈک ملی۔

میری اور میری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

تھوڑی دیر بعد وہ تیار نظر آ رہی تھی۔ گیلے بالوں کو اونچی پونی میں باندھا۔ دوپٹہ سر پہ لیا۔ اور پیروں میں سیاہ کھسے پہنے۔ اسے اپنی ماں کے جنازے کے انتظامات کرنے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ چند افراد کے ساتھ کھڑی ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔

''ہاں مجھے معلوم ہے اب گرمی نہیں ہے۔ یہ نومبر ہے لیکن جب لوگ زیادہ ہوں گے تو گرمی ہو جائے گی' جاوید۔'' وہ ڈپٹ کے کہہ رہی تھی۔ ''ایک پنکھا مجھے وہاں چاہیے۔ ایک اس طرف۔'' انگلی اٹھا اٹھا کے وہ مختلف جگہوں کی نشاندہی کر رہی تھی۔ لان میں کرسیاں لگوائی جا رہی تھیں۔ سڑک کے باہر گاڑیاں کھڑی تھیں۔ چند لوگ قناتیں نصب کر رہے تھے۔

''مجھے کفن کا کپڑا چاہیے۔ ابھی۔'' وہ اب موبائل کان سے لگائے کسی سے کہہ رہی تھی۔ ''نہیں غسل کا مسئلہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب کی بیوی آ جائے گی۔ میں اور میری بہن اس کے ساتھ مل کے غسل دیں گے۔''

اس کی آنکھیں خشک تھیں اور انداز مصروف۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے دس بجے تھے جب ماموں کی کار گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ وہ اسلام آباد سے پہنچتے ہی پہلے ائیر پورٹ گئے تھے۔ اور اب واپس آئے تو لان خواتین سے بھرا ہوا تھا۔

پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور سیاہ کوٹ والی لڑکی باہر نکلی۔ اس کا ریشمی اسکارف ڈھلک کے پیچھے جا گرا تھا۔ الجھے الجھے بال۔ گیلا چہرہ۔ اس کی نظریں لان تک گئیں اور پلٹنا بھول گئیں۔

میت اب لان میں رکھی تھی اور اس کے گرد عورتیں بیٹھی تھیں۔

ماہی نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔ اس کے رونے کی بلند آواز نے سب کے سر موڑ دیے۔ کچھ عورتیں اس کی طرف بھاگیں۔

''ماہی تیری ماں نے تیرا انتظار نہیں کیا...''

''ماہی بیٹا تو نے بہت دیر کر دی....''

''ہائے حورِ جہاں کی بدقسمت بیٹی....''

''پردیس والوں کے مسئلے....''

''شکر ہے میت کے منہ پہ پہنچ گئی۔''

ہر طرف سے آوازیں تھیں۔ افسوس تھے۔ اور وہ اس سب سے بے نیاز اونچا اونچا روئے جا رہی تھی۔

عورتیں اسے سہارا دے کر میت کی چارپائی تک لے آئیں۔ کوئی اسے کہہ رہا تھا کہ ماں کا چہرہ دیکھو۔ دیکھو کیسی جنتی اور پرنور لگ رہی ہے۔

لیکن ماہ بینہ اپنی ماں کا چہرہ دیکھنے نہیں آئی تھی۔

وہ اپنی ماں کے پیروں تک گئی اور دونوں ہاتھوں سے کفن میں لپٹے پیر تھام لیے۔

''ماں میں راستے میں تھی۔ ماں مجھ سے ناراض نہ ہونا۔'' وہ ان پیروں پہ سر رکھے بلند آواز میں روئے جا رہی تھی۔ ''میری ماں مجھ سے ناراض نہ ہونا۔ میں بہت مجبور تھی۔ ماں مجھے معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں۔''

اس کی حالت دیکھ کے ہر کوئی رو رہا تھا۔ مرد حضرات کی بھی آنکھیں اشکبار تھیں۔ اگر کوئی نہیں رو رہا تھا تو وہ کشمالہ مبین تھی۔ جہاں سب ماہی کی طرف متوجہ تھے وہاں کشمالہ بانو کے ساتھ کار میں رکھا کاٹ نکال رہی تھی۔ اس کے اندر لیٹی بچی اپنی سبز آنکھیں جھپک جھپک کے دنیا کو دیکھ رہی تھی۔ حیران اور خوبصورت آنکھیں۔

کشمالہ نے نرمی سے اس کو اپنے دونوں بازوؤں میں اٹھایا اور مسکرا کے اس کا چہرہ دیکھا۔

''میری اور میری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔''

پھر اس نے بچی کو اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''اس کو ٹھنڈ لگ جائے گی۔ اسے اندر ہیٹر پہ لے کر بیٹھ جاؤ۔'' اس نے بچی بانو کو تھمائی۔ بانو نے سمجھداری سے بچی اٹھالی اور اندر لے گئی۔

پھر وہ رش میں سے راستہ بناتے ہوئے ماہی کی طرف آئی۔ وہ ماں کے قدموں میں بیٹھی اب رو رو کے نڈھال ہو چکی تھی۔ مالا نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''مالا.... ماں نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟'' وہ بچوں کی طرح بلک بلک کے رو رہی تھی۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ بے آواز آنسو اس کی آنکھوں سے بھی گرنے لگے۔

''ماموں آ گئے ہیں۔ ماہی آ گئی ہے۔'' کسی عورت نے سمجھداری سے اس کے قریب سرگوشی کی۔ ''سب آ گئے ہیں۔ اب جنازے میں دیر نہ کرنا۔ میت کو تکلیف ہوتی ہے۔''

مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سب آ گئے تھے۔ اب دیر نہیں ہوگی۔

اور اسی لمحے اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

ایک شخصیت تھی جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ جو اپنے پسندیدہ جنازوں پہ نیا لباس اور نیا زیور پہن کے آتی تھی۔

وہ بالکل ساکت رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ بیگم اس صبح دیر سے جاگی تھیں۔ فون رات سے بند تھا۔ ناشتے کی میز پہ ملازم نے ڈرتے ڈرتے اطلاع دی کہ بہت سے لوگ فون کر چکے ہیں۔ کسی کا انتقال ہو گیا ہے۔

''کون مر گیا ہے؟''

انہوں نے بے زاری سے فون آن کیا۔ بہت سی میسج ٹونز ایک ساتھ بجی۔ اگلے ہی لمحے کبیرہ سادان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کرسی دھکیلتی وہ ایک دم کھڑی ہوئیں۔

''آفس فون کر کے آج کی ساری میٹنگز کینسل کر دو۔ میں کسی کی کال تک اٹینڈ نہیں کروں گی۔'' ملازمہ کو ہدایات دیتی وہ اپنے کمرے کی طرف مڑ گئیں۔

''آج مجھے ایک جنازہ اٹینڈ کرنا ہے۔''

کبیرہ سادان کو تیاری میں کافی دیر لگی تھی۔ بین گلے اور پوری آستین والا سیاہ لباس بہت خوبصورت اور باوقار تھا۔ کف پہ سیاہ موتیوں کا کام کیا گیا تھا۔ وہ اپنے خوبصورت چہرے پہ ایک مطمئن نظر ڈال کے لائنر لگانے لگیں۔ پھر لبوں کو لپ اسٹک سے گلابی کیا۔

بالآخر انہوں نے اپنا جیولری باکس کھولا۔ نئے ڈائمنڈز۔ نئے پرلز۔ pearls۔ ہر شے جو انہوں نے ماہی کے بچے کی موت کے لیے سنبھال رکھی تھی' آج کام آنی تھی۔

آج ان کی سب سے بڑی دشمن کی موت واقع ہوئی تھی۔ آج عالیان کی موت کا بدلہ پورا ہوا تھا۔

''قسمت۔'' وہ اپنا عکس دیکھ کے مسکرائیں۔ ''جیسے میں اپنے عالیان کو ایک لمبے عرصے تک نہیں دیکھ سکی تھی۔ ویسے ہی تم بھی اپنی نواسی کو نہیں دیکھ سکیں۔''

وہ مسکراتے ہوئے ایک ایک انگلی میں انگوٹھیاں پہننے لگیں۔ پھر موتیوں کی ایک لڑی گردن میں ڈالی۔ کانوں میں ننھے ٹاپس پہنے۔ وہ مکمل طور پہ تیار تھیں۔ چہرے پہ افسوس طاری کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن وہ ایک اچھی

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

اداکارہ تھیں۔ وہ وہاں پہنچتے پہنچتے تک اپنے چہرے کو ہمدردی اور افسوس سے بھر لیں گی۔

انہیں جنازے سے عین آدھا گھنٹا پہلے پہنچنا تھا۔ یہ میت کے گھر والوں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ وقت ہوتا ہے۔ اور اس وقت انہیں سب سے زیادہ سکون ملے گا۔

انہوں نے عامل کے نمبر پہ کال ملائی اور فون کان سے لگالیا۔

''مجھے ایک تعویذ چاہیے۔ ابھی۔ اسی وقت۔'' وہ ہدایات دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ اپنے کمرے میں فون کان سے لگائے دائیں سے بائیں ٹہل رہی تھی۔

''کھانا کم نہیں پڑنا چاہیے۔ اوکے؟'' سختی سے کہہ کے اس نے فون رکھا۔ ماہی' جو بیڈ پہ بیٹھی اپنی بچی کو فیڈ کروا رہی تھی' بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہماری ماں مرگئی ہے اور تمہیں جنازے کی دیگوں کی پڑی ہے؟''

''مجھے اس لیے پڑی ہے کیونکہ ہماری ماں مرگئی ہے۔ وہ ہوتیں تو یہ انتظام خود کرتیں۔ انہوں نے ہمارے گھر سے کبھی کسی کو کھانا کھلائے بغیر نہیں بھیجا۔'' وہ اسی تیزی سے بولی تو ماہی خاموش ہوگئی۔

''عجیب رواج ہیں اس ملک کے۔ موت بھی ہمارے گھر ہوئی ہے۔ کھانا بھی ہم کھلائیں۔''

باہر سے گزرتی بخت بی نے رک کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔ اسے یاد تھا۔ بڑی بی کی بیماری کے دنوں میں مالا مہمانوں سے کتنا چڑتی تھی۔ ان کو صرف قہوہ اور بسکٹ دیتی تھی تاکہ وہ جلدی جائیں۔ لیکن آج یہ وہ مالا نہیں لگ رہی تھی۔ اسے کچھ ہوگیا تھا۔

''جنازے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔'' مالا اب کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ نظریں باہر جمع ہوئی عورتوں پہ تھیں۔

''جنازہ.... '' ماہی کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ اب تو رونے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔

''ہاں ماہی۔ جنازہ ہوگا ابھی اور کبیرہ بیگم آنے کی تیاری کر رہی ہوں گی۔''

ماہی بری طرح چونکی۔ اس سارے میں اسے کبیرہ تائی بالکل ہی فراموش ہوگئی تھیں۔

''وہ بھی آئیں گی؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔ اور پھر اسے یاد آیا۔ ''جیسے نورِ جہاں خالہ کی ڈیتھ پہ آئی تھیں۔ نیا جوڑا۔ نئی جیولری۔'' اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ ''نہیں۔ اگر وہ آئیں تو میں ان کا منہ نوچ لوں گی۔ میں ان کو جان سے مار ڈالوں گی۔ ان کے جادوؤں نے میری ماں کو مار دیا۔''

''کسی کے جادو نے ہماری ماں کو نہیں مارا' ماہی۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ فیروزی دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ پرسوچ لگ رہا تھا۔ ''ان کا جادو ٹوٹ چکا تھا۔ ہماری دعا سے۔ ہماری پڑھائیوں سے۔ ٹیومر ختم ہو گیا تھا۔ ان کی موت ہارٹ فیل سے ہوئی ہے۔ وہ ایسے ہی لکھی تھی۔ یکم نومبر کو۔ وہ مکتوب تھی۔ ٹیومر ہوتا یا نہ ہوتا۔''

''مگر انہوں نے جادو کیے تھے۔ اپنی کوشش کی تھی۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی ایف آئی آر بھی نہیں کروا سکتے ہم۔'' اس نے گود میں لیٹی حور کو دیکھا۔ وہ اب سو چکی تھی۔ ''ہم کتنے بے بس ہیں' مالا۔ ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اب وہ ہمارے سامنے آئیں گی۔ روتا چہرہ بنا کے ہم سے ہماری ماں کا افسوس کریں گی۔ میری بیٹی کی مبارکباد دیں گی۔''

وہ تنفر سے کہہ رہی تھی جب مالا دھیرے سے بولی۔

''اور وہ تعویذ ڈالیں گی۔''

ماہی دھک سے رہ گئی۔ ''تعویذ؟''

''جیسے نور جہاں خالہ کی ڈیتھ پہ انہوں نے کیا تھا۔'' اس نے پلٹ کے ماہی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر سا تھا۔ ''بھول گئیں؟ میں نہیں بھولی۔''

''کفن میں تعویذ ڈالنے والا جادو۔'' ماہی بڑبڑائی۔ ''تاکہ مردے کے پیچھے اس کا سارا خاندان تباہ ہو جائے۔''

ماہی نے بے بسی سے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

''لیکن ہم کیا کریں؟ ان کو آنے سے روکا تو وہ سارے خاندان میں مشہور کر دیں گی۔ سب ہمیں برا بھلا کہیں گے۔ ہماری ماں کی تربیت پہ انگلی اٹھے گی۔ ہم ان کو اپنے گھر میں آنے سے نہیں روک سکتے۔''

''میں روکوں گی۔'' کشمالہ نے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ ''وہ عورت میرے گھر میں داخل نہیں ہو گی۔''

''کیسے روکو گی؟ پولیس کھڑی کرو گی باہر؟ تماشہ ہو گا مالا۔ تم تماشے کے بغیر ان کو نہیں روک سکتی۔ سارا خاندان ہم پہ تھو تھو کرے گا کہ ایسے موقع پہ ہم نے کم ظرفی دکھائی۔''

''میں روک سکتی ہوں اور میں روکوں گی۔'' وہ اطمینان سے نمبر ملا رہی تھی۔ ماہی دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ بیگم کانوں میں ائیر رنگز پہن رہی تھیں جب فون بجنے لگا۔

کشمالہ۔ وہ مسکرا دیں۔ کال اسپیکر پہ لی اور ائیر رنگ کا اسٹاپر بند کرتے ہوئے آواز رو ہانسی کر لی۔

''ہائے کشمالہ... تمہاری ماں کا ابھی پتہ چلا' بیٹا۔ میرا تو دل ہی ڈوب گیا ہے جیسے۔ میں...''

''آپ میری ماں کے جنازے پہ نہیں آئیں گی۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جاڑے کی نرم دھوپ سے اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

''چ... کشمالہ بیٹا... ایسے موقعوں پہ پرانی نفرتیں بھلا دیتے ہیں۔ ایسے نہیں کرتے' بیٹا۔''

''میں نے کہا نا' آپ میرے گھر میں قدم بھی نہیں رکھیں گی۔'' اس کا لہجہ کسی قسم کے جذبے سے عاری تھا۔

''اور خاندان والے کیا کہیں گے جب انہیں معلوم ہوگا؟'' کبیرہ مسکرائیں۔ ''سب تم بہن بھائیوں کو ہی برا کہیں گے۔ تمہاری ماں کی تربیت پہ بات آئے گی۔''

''میں آپ کو اپنے گھر میں تعویذ نہیں ڈالنے دوں گی' کبیرہ بیگم۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔

کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ انہوں نے میز پہ رکھے پیکٹ کو دیکھا جس میں ابھی ابھی عامل کی طرف سے تعویذ موصول ہوا تھا۔

''اور تم مجھے کیسے روکو گی۔'' وہ غرائیں۔

''مالا نہیں کرو۔'' ماہی نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ پریشان لگ رہی تھی۔ ''وہ ہمیں سارے خاندان میں بدنام کر دیں گی۔''

لیکن مالا اس طرف متوجہ نہیں تھی۔

''اگر آپ میرے گھر آئیں تو...''

''تو کیا؟ پولیس بلا کے مجھے گرفتار کرواؤ گی؟ کسی کے جنازے پہ آنا جرم ہے کیا؟''

کشمالہ مبین نے گہری سانس لی۔

''میں معید نہیں ہوں۔ وہ بھی بات بات پہ پولیس کی باتیں کرتا ہے۔ اور رہی ماہی... تو وہ غصے کی تیز ہے۔'' ایک نظر بیڈ پہ فکرمند بیٹھی ماہی کو دیکھا۔ ''آپ کو دیکھ کے شاید وہ آپ پہ حملہ کر دے۔ لیکن کبیرہ بیگم... میں ماہی نہیں ہوں۔ میں مالا ہوں۔ مجھے صرف ایک کام کرنا آتا ہے۔''

کبیرہ غور سے اس کو سن رہی تھیں۔

''اور وہ ہے رنگ کرنا۔ میرے سب سے اچھے دوست رنگ ہیں۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''یعنی؟''

''میرے گھر کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔ اور ان کھلے دروازوں پہ کچھ بچے کھڑے ہیں۔ یہ وہ بچے ہیں جن کو میں اپنے فالتو رنگ دے دیتی ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ایک سرگوشی ہو جیسے۔

''یہ بچے آپ کو پہچانتے ہیں۔ اور آپ کو پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کیا ہے کہ جب بچوں کو کوئی پسند نہیں ہوتا تو وہ معصوم شرارتیں کر جاتے ہیں۔''

وہ کہتے ہوئے پونی سے نکلی ایک لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

''ان کے ہاتھوں میں میرے دیے گئے رنگ ہیں جسے وہ کسی کے لباس... نئے لباس... پہ گرا سکتے ہیں۔ بھرے مجمع میں ہر طرف سے وہ کسی پہ رنگوں کی ہولی کھیل سکتے ہیں۔ کسی پہ حملہ بھی کر سکتے ہیں۔ اور ایسا کر کے وہ بھاگ جایا کرتے ہیں۔ بچے ہیں نا۔ کوئی انہیں پکڑ بھی نہیں سکتا۔''

کبیرہ سادان سانس روکے سن رہی تھیں۔

''وہ کسی کا پرس بھی چھین سکتے ہیں۔ کسی کا موبائل بھی۔ اور ایک منٹ میں... '' اس نے چٹکی بجائی۔ ''وہ بھاگ کے نظروں سے اوجھل بھی ہو سکتے ہیں۔ بچوں کو کوئی الزام نہیں دیتا۔ لیکن... '' اس کی آواز مزید دھیمی ہوئی۔

''لیکن اس عورت کا کیا ہو گا جو دن میں کئی بار اپنے ہاتھ دھوتی ہے؟ جو اپنی شخصیت پہ ایک داغ برداشت نہیں کرتی؟ جس کا لباس بے شکن ہوتا ہے؟ اگر ایسی کسی عورت پہ کسی بچے نے غلطی سے کچھ گرا دیا تو وہ کیا کرے گی؟ کیا وہ بھرے خاندان کے سامنے یہ ہزیمت برداشت کرے گی؟''

دوسری جانب بالکل خاموشی تھی۔

''اور جس وقت یہ ہو گا' ہم تین بہن بھائی اپنے ماں کا جنازہ اٹھا رہے ہوں گے۔ کون ہمیں الزام دے گا؟ بلکہ ہم تو ہر رشتے دار سے کہیں گے کہ پلیز کبیرہ تائی کو کال کریں۔ ان سے کہیں کہ جنازے پہ ضرور آئیں۔ کوئی ہم پہ شک نہیں کرے گا۔ نہ کوئی ان بھاگ جانے والے بچوں کو پکڑے گا۔ فیصلہ آپ کا ہے۔''

کال منقطع ہو گئی۔ ماہی کے لب ابھی تک کھلے ہوئے تھے۔

''کبیرہ تائی کو اوسی ڈی ہے۔'' وہ اس کی طرف مڑی اور سپاٹ انداز میں بتانے لگی۔ ''وہ اپنے اوپر ایک چھینٹ بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ وہ نہیں آئیں گی۔ میں نے کہا تھا نا' میں انہیں روک سکتی ہوں۔''

ماہی نے میکانکی انداز میں سر ہلا دیا۔

''کیا تم نے واقعی بچوں کو اس کام پہ کھڑا کیا ہے؟''

مالا نے جواباً کھڑکی کی جانب اشارہ کیا۔ ماہی کی نظریں اس طرف اٹھیں۔ گیٹ کے ساتھ مرد حضرات کے آگے پیچھے چند بچے ٹہل رہے تھے۔

''مالا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

وہ باہر جا رہی تھی جب ماہی نے اسے پکارا۔ وہ چوکھٹ سے پلٹی اور اس کا چہرہ دیکھا۔

''جب ماں مر جاتی ہے تو کچھ بچے ڈھے جاتے ہیں۔ اور کچھ.... ''اس نے بہت سے آنسو اندر ہی اندر اتار دیے۔'' کچھ بڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنی ماں جتنے بڑے۔''

یہ کہہ کے وہ رکی نہیں۔ دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ نومبر کے ابتدائی دنوں کی ایک صبح تھی جو استنبول پہ خزاں کی ٹھنڈی ہوا لیے اتری تھی۔ اس کے آفس کی کھڑکی میں رکھا کیکٹس کا پودا اب سبز نظر آ رہا تھا۔ اسے جاڑا راس آ گیا تھا۔

''یہ کب ہوا؟'' بیربل نے دھیرے سے پوچھا۔ وہ ماہر کے سامنے بیٹھا تھا۔ چہرے پہ افسوس تھا۔

''ایک ہفتہ پہلے۔'' وہ خاموشی سے کھڑکی میں رکھے پودے کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پہ تکان تھی۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' وہ بغور ماہر کا چہرہ دیکھ رہا تھا جس پہ ایک مانوس سی سوگواریت تھی۔ قاسم فرید کے جنازے والے دن جیسی۔

''اس کی بہن نے۔''

ایک خزاں آلود خاموشی پھر سے چھا گئی۔

''کیا اس کی ماں کا انتقال جادو سے ہوا ہے؟''

''معلوم نہیں۔'' وہ لبوں پہ مٹھی رکھے ہلکے سے شانے اچکا کے رہ گیا۔ ''لیکن موت مکتوب ہوتی ہے بیربل بے۔''

''یعنی جس کو دنیا میں آنا ہے' اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جس کو جانا ہے' اسے بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ پھر ہمارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' عجیب بے زاریت سی محسوس ہوئی۔ بے بسی بھری بے زاریت۔

''بس اتنا کہ ہم اپنے ساتھ کیا لے کر جاتے ہیں۔'' وہ آزردگی سے مسکرایا۔

''اسے کال نہیں کرو گے؟''

''معید کو کال کی ہے۔ اپنے حصے کی تعزیت کر لی ہے میں نے۔''

''ماہر... ''بیربل نے ماتھے کو چھوا۔ ''چھوڑ دو اپنی انا۔ اس کو کال کر لو۔ وہ تکلیف میں ہو گی۔''

دروازہ دستک سے کھلا اور زارینہ اندر آتی دکھائی دی۔ اس نے لمبے سفید بوٹ پہن رکھے تھے۔ مڈی ڈریس میں کمر کے گرد بیلٹ بندھی تھی۔ کھلے بال شانوں پہ لہرا رہے تھے۔ وہ ٹھک ٹھک کی آواز سے چلتی ان کے سامنے آئی۔ باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

''تم لوگوں کو کیا ہوا ہے؟'' پھر ایک ٹیبلیٹ ماہر کے سامنے رکھا۔

''کچھ نہیں۔'' ماہر نے سر جھٹکا۔ ''میں اسے بعد میں دیکھ لوں گا۔ ابھی میرے سر میں درد ہے۔''

زارینہ نے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھا۔ ''کوئی میڈیسن لا دوں؟''

''کچھ ایسا لا دو جو جمے ہوئے دل کو پگھلا دے۔''

''بیربل۔'' اس نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا تو وہ منہ میں بڑبڑا کے رہ گیا۔

زارا نے باری باری ان دونوں کو دیکھا' پھر سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''اتنے بڑے استنبول میں زارا کو تمہارے علاوہ کوئی کیوں نہیں نظر آتا؟'' بیربل اس کے جاتے ہی افسوس سے بولا تو ماہر نے بغور اسے دیکھا۔

''اس لڑکی کا کیا ہوا؟ وہ جو مختلف تھی؟''

''وہ ٹھیک ہے۔'' بیربل دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

''اس کی طبیعت نہیں پوچھ رہا۔ ردعمل پوچھ رہا ہوں۔'' وہ بغور بیربل کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

بیربل نے ایک لمبی' ٹھنڈی آہ بھری۔

''پہلے اس نے ملنا کم کیا۔ پھر کال اٹھانی چھوڑی۔ پھر اس نے کہا ''یہ تم نہیں ہو' یہ میں ہوں'' (منہ بگاڑ کے نقل اتاری) پھر اس نے مجھے بالکل چھوڑ دیا۔ اور آج مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے ہی ایک دوست کے ساتھ شاپنگ کرتی دکھائی دی ہے۔ اب تم جی بھر کے ہنس لو۔''

لیکن وہ نہیں ہنسا۔ کندھے اچکا دیے۔ ''آئی ایم سوری۔''

''تمہیں کیسے ہر دفعہ علم ہو جاتا ہے؟ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم میری جاسوسی کرواتے ہو' اور ان لڑکیوں کو مجھے

چھوڑنے کے لیے پیسے دیتے ہو۔''

''میں ایسی عورتوں پہ پیسہ ضائع نہیں کرتا۔'' ماہر نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''پھر کیسے تمہارا اندازہ ہر دفعہ درست ہو جاتا ہے؟ تم ان میں سے ایک لڑکی سے بھی آج تک نہیں ملے۔ نہ تم انہیں جانتے ہو۔''

''کیونکہ میں تمہیں جانتا ہوں بی۔'' وہ آگے بڑھا اور نرمی سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''کیا مطلب؟'' بیربل کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔

''خود سوچو بی۔ ہمیشہ تمہیں ہی ٹاکسک لڑکیاں کیوں ملتی ہیں؟''

''کیا میں ٹاکسک ہوں؟''

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم ایک اچھے انسان ہو۔ لیکن تمہیں ایک جیسی لڑکیاں کیوں ملتی ہیں اس کسوٹی کو تمہیں خود ہی حل کرنا ہے۔''

تھوڑی دیر کے لیے ایک الجھن بھری خاموشی چھا گئی۔ پھر بیربل اٹھ کھڑا ہوا۔

''اسے کال کر لو ماہر۔'' موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے اس نے تاکید کی۔

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ بیربل کے جانے کے بہت دیر بعد اس نے انٹرکام اٹھایا۔

''م... میرے لیے اس ویک اینڈ پہ لاہور کی فلائٹ بک کروا دو۔'' وہ اب میز پہ رکھی ایک scented کینڈل کے گرد انگلی پھیر رہا تھا۔ نظریں اس کے جلے کے سیاہ ہوئے دھاگے پہ جمی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کی خاموشی ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس رات وہ گم صم سی صوفے پہ بیٹھی تھی۔ آج اس نے گلابی لباس پہ سفید دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ آنکھیں آج بھی خشک تھیں اور وہ گود میں رکھے موبائل پہ جمی تھیں۔ ماں کی تصویر اس نے وال پیپر پہ لگا رکھی تھی۔ اور اب دھیرے دھیرے اپنی انگلی ان کے چہرے پہ پھیر رہی تھی۔

''کیا مصیبت ہے؟ اس کو burp کیوں نہیں آتا؟'' سامنے کمرے میں ٹہلتی ماہی ننھی حور کو کندھے سے لگائے جھنجھلا کے کہہ رہی تھی۔

''ایک گھنٹے سے کمر پہ ہاتھ پھیر رہی ہوں۔ برپ ہی نہیں آ رہا۔'' چڑچڑے انداز میں اس کا ہاتھ بچی کی کمر پہ تیزی سے چلنے لگا۔ تھپ تھپ۔

مالا نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر واپس فون کو دیکھنے لگی۔

''برپ (ڈکار) نہیں آئے گا تو پھر سے دودھ نکال دے گی۔ اچھا عذاب ہے۔'' ماہی نے تیزی سے بچی کو نیچے لٹایا۔ اور اس کے اوپر جھکی۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ کیوں نہیں آتا تمہیں برپ؟ نوکر ہوں میں تمہاری جو سارا دن تمہیں تھپکتی رہوں؟'' اس نے دونوں ہاتھوں سے بچی کو جھنجھوڑا۔ بچی کے ہونٹ رونے کی صورت میں بنے۔ ماہ بینہ کی تیوریاں مزید چڑھ گئیں۔

''آواز نہ آئے مجھے تمہاری۔'' اس نے کھینچ کے ایک تھپڑ اس کے کندھے پہ مارا۔ بچی ایک دم اونچی آواز میں رونے لگی۔

''اف۔ رونا بند کرو۔'' اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھائے کہ اس کو جھنجھوڑ دے لیکن اس کی کلائی راستے میں زور سے کسی نے پکڑ لی۔

ماہی نے چونک کے سر اٹھایا۔

مالا اس کا ہاتھ جکڑے اس کے سر پہ کھڑی تھی۔

''میری بات کان کھول کے سنو ماہ بینہ مبین۔ اگر تمہارا ہاتھ دوبارہ اس بچی پہ چلا تو میں اس کو یہاں سے لے کر چلی جاؤں گی اور تم اس کی شکل دیکھنے کے لیے بھی ترسو گی۔ آئی سمجھ؟''

ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑی۔

ماہی کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

بچی اب حلق پھاڑ کے رونے لگی تھی۔

''میں کیا کروں؟ اس کو برپ نہیں آ رہا۔''

وہ اپنی سرخ کلائی سہلا رہی تھی۔ مالا دھیرے سے اس کے سامنے بیٹھی۔ اس کے بھرے بھرے چہرے پہ رتجگے کی تھکاوٹ تھی۔

''تم بے بی کو قصوروار سمجھتی ہو۔ تمہیں لگتا ہے سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔''

ماہی نے گلابی پڑتی آنکھیں اٹھائیں۔

''سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس دن کے لیے لوگ اولاد مانگتے ہیں کیا؟ اس... اس...'' تنفر بھری آنکھوں

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

سے روتی ہوئی بچی کو دیکھا۔ ''اس کی وجہ سے میں اپنی ماں سے نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ سے....''

بانو بھاگتی ہوئی آئی اور روتی ہوئی بچی کو اٹھالیا۔

''ماں کی زندگی اتنی ہی لکھی تھی۔''

''مگر میں نہیں آئی۔ مالا میں کیوں نہیں آئی؟ اس کی وجہ سے۔'' وہ روتے ہوئے بانو کے ہاتھ میں موجود بچی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''میں نے اس کو اپنی ماں کے اوپر ترجیح دی۔ اس کی وجہ سے ہوا ہے سب۔ مل گئی مجھے اولاد۔ یہی چاہیے تھا مجھے۔ میری ماں چلی گئی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

''سب کہتے ہیں ماہی بدنصیب ہے۔ ماں کی خدمت نہیں کر سکی۔ جو آتا ہے یہی کہتا ہے۔ کیا میں بدنصیب ہوں مالا؟''

مالا نے نرمی سے اس کی سرخ کلائی تھامی۔ پھر اس کا ہاتھ سہلایا۔

''جو بچے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ماں باپ کے آخری وقت میں ان کے ساتھ نہیں ہوتے' وہ بدنصیب نہیں ہوتے' ماہی۔ بس یہ ان کے نصیب میں نہیں ہوتا۔''

اس نے نرمی سے ماہی کے چہرے پہ آئے آنسو پونچھے۔

''ماہی باجی جب میرا شوہر میرے اوپر ہاتھ اٹھاتا تھا تو آپ کتنا برا مانتی تھیں۔'' بانو روتی ہوئی بچی کو چپ کرواتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''وہ اپنا غصہ میرے پہ نکالتا تھا۔ اور آپ اس بچی پہ نکال رہی ہیں۔ یہ کوئی بات ہے بھلا؟'' بانو باقاعدہ برا مان کے بچی کو لیے باہر چلی گئی۔

''مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کو کیسے سنبھالوں۔ کوئی کہتا ہے سر بٹھاؤ۔ کوئی کہتا ہے ایسے اٹھاؤ۔ ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔''

''صرف اتنا کرو کہ حور کو قصوروار سمجھنا چھوڑ دو۔ تم ایسے اللہ کی ناشکری کر رہی ہو۔ ماں یہ کبھی برداشت نہ کرتیں۔'' وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ ماہی نے بھیگی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا جیسے کچھ ٹٹول رہی ہو۔

''تم اتنی کمپوزڈ کیسے ہو؟''

''کیونکہ میں کچھ ایسا جانتی ہوں جو تم نہیں جانتیں۔''

ماہی کے آنسو ٹھہر گئے۔ ''تم مجھ سے شیئر نہیں کرو گی؟''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''کروں گی۔ جب تمہارے آنسو رکیں گے اور تمہاری نظر دیکھنے کے قابل ہو گی۔''

ماہی ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ دونوں کب سے ایک دوسرے کے ساتھ راز رکھنے لگ گئی تھیں؟

''مالا باجی...'' بانو کی چھوٹی بہن نے اندر جھانکا۔ ''مہمان آئے ہیں۔ وہ... وہ جو باہر کے ملک میں رہتے ہیں....''

مالا کی گردن تیزی سے مڑی۔ ''کون کیف؟''

''نن نہیں.. وہ زیادہ صاحب کی امی۔''

اس کی اٹکی سانس جاری ہوئی۔ کندھے ڈھلک گئے۔ وہ ماہی کو دیکھے بنا اٹھ کھڑی ہوئی جو بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیف؟ تم نے کہا کیف؟''

مالا اس کی طرف نہیں پلٹی۔

''منہ سے نکلا تھا۔''

''مگر ذہن سے نہیں نکلا۔''

مالا نے جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔

زیادہ اسے روز ہی میسج کرتا تھا۔ وہ آ نہیں سکا تھا لیکن اس نے کہا تھا کہ امی کچھ دن بعد آئیں گی۔ مالا نے منع بھی کیا کہ ان کو سفر نہ کرنے دے لیکن اس نے بتایا کہ جب سے انہوں نے حور آنٹی کی ڈیتھ کی خبر سنی ہے وہ بہت غمگین رہنے لگی ہیں۔

نگینہ بیگم کو دیکھ کے اسے دھچکا سا لگا۔ وہ بہت کمزور اور بیمار لگ رہی تھیں۔ چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ ہاتھ میں اسٹک تھی جس کے سہارے چلتی تھیں۔ سفید براق دوپٹہ چہرے کے گرد پھیلائے وہ اسے دیکھ کے مسکرائیں۔ ان کا چہرہ آج بھی مالا کو ہمیشہ جیسا پر نور لگا تھا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

کچھ دیر بعد وہ دونوں بہنیں ان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ماہی بھی انہیں دیکھ کے فکر مند ہوئی تھی۔

''بس بیٹا، اب تو اگلے سفر کی تیاری ہے۔'' انہوں نے مسکرا کے اسے دیکھا تو وہ ایک دم اندر تک ہل گئی۔ ماہی بھی جلدی سے بولی۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''اللہ نہ کرے۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔''

وہ اب بانو کو دیکھ رہی تھیں جو حور کو اٹھائے ہیٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔

''اس کو گھٹی دی ہے؟''

ماہی نے لب کاٹے۔

''نہیں۔ عباد کو پسند نہیں تھا کہ کوئی اس کے منہ میں ہاتھ دے۔ لیکن میں نے سوچا تھا پاکستان آ کے ماں کے ہاتھوں سے...'' اس کی آواز بھیگ گئی۔ سر جھکا لیا۔

''بچی کو مجھے دو۔ اور جاؤ تم شہد لے کر آؤ۔''

بانو نے حور کو ان کے نحیف بازوؤں میں دیا۔ انہوں نے اسے اٹھایا اور کندھے سے لگایا۔ ایک دم بچی کو ڈکار آ گیا۔ ماہی نے بے یقینی سے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ (وہ بھی ایسے ہی کر رہی تھی۔ مگر یہ کیسے....؟)

پھر انہوں نے پیار سے اس بچی کو اپنے گھٹنے پہ بٹھا لیا۔ ننھی حور عین کا رونا بالکل ختم ہو گیا۔ وہ ایک دم پرسکون ہو گئی۔

بانو شہد لے آئی تھی۔ انہوں نے اپنے انگوٹھے سے ذرا سا شہد لے کر چٹایا۔ بچی نے مزے سے وہ کھا لیا۔ ماہی کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔

''تمہاری ماں نہیں ہے تو کیا ہوا بیٹا۔ مائیں بھی سانجھی ہوتی ہیں۔ اب میری بات سنو...'' وہ پیار سے ماہی کو دیکھ کے اسے سمجھانے لگیں۔ ''اس کا سر یوں کندھے سے لگاؤ گی اور ایسے کمر پہ ہاتھ پھیرو گی تو اسے ڈکار آئے گا۔ اور جب اس کو سلایا کرو تو کپڑے سے باندھا کرو۔''

''مجھے لگتا ہے اس پہ ظلم ہو رہا ہے۔ کیسے باندھوں۔''

''نہیں بیٹا۔ ظلم نہیں ہے۔ ورنہ بچہ نیند میں اٹھ کے ڈر جاتا ہے... ایسے کرو ململ کا دوپٹہ لو اور....''

ماہی ان کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی تھی اور وہ اس کو سمجھا رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بولتی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سانس چڑھ جاتا تھا۔ وہ ٹھیک نہیں تھیں۔ مالا اپنی سیٹ پہ بیٹھی خاموشی سے ان کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

کیا نگینہ بیگم اس عامل کا اگلا شکار تھیں؟ یہ کیسا کھیل تھا جس میں ماؤں کی قربانی دینا لازم تھی؟

کیا زیاد بھی اپنی ماں کو کھو دے گا؟

''آپ پاکستان خیریت سے آئی ہیں؟'' اس کی توجہ ان کی باتوں کی طرف مبذول ہوئی۔ ماہی ان سے کچھ

پوچھ رہی تھی۔

''بس بیٹا۔ زیاد کی پھپھو کے ہاں اس کی بات پکی کرنے لگی ہوں۔ وہ بمشکل مانا ہے۔ میری زندگی کا اب کوئی بھروسہ نہیں۔ سوچ رہی ہوں اگلے ماہ شادی کر دوں اس کی۔''

کشمالہ نے پوری بات غور سے سنی۔ پھر پیروں میں پہنے سیاہ کھسے دیکھے۔ دل کو ٹٹولا۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔ کوئی شاک' کوئی صدمہ' کوئی دکھ نہ تھا۔

ماہی صحیح کہتی تھی۔ وہ بدل گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سرکار کی آنکھیں بند تھیں۔ اور جسم چوکڑی کی صورت میں ساکت نظر آ رہا تھا۔ اس کا سر اثبات میں ہل رہا تھا۔ جیسے اس کے کان کسی کی بات سن رہے ہوں۔ ایک دم اس نے آنکھیں کھولیں۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔ اور پھر بے یقینی۔

''نہیں۔ اسے پاکستان نہیں آنا چاہیے۔'' اس کی آنکھوں میں خوف نظر آیا۔ اس کا سر دائیں بائیں نفی میں ہل رہا تھا۔

''ماہر فرید کو پاکستان نہیں آنا چاہیے۔ ماہ بینہ وہاں موجود ہے۔ وہ اس سے مل لے گا اور... نہیں...''

اس نے بے اختیار سر ہاتھوں میں گرا لیا اور نارنجی رومال نوچ لیا۔ اس کا دماغ جیسے درد سے پھٹنے کو تھا۔

''اگر وہ اس سے ملا اور اس نے اپنی کہانی سنا ڈالی تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔ وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔ صرف ماہی جانتی ہے۔ وہ اس کی مدد سے مجھے پہچان لے گا۔ نہیں۔'' اس نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔

''اس کو روکنا ہو گا۔''

جواب میں اسے کچھ کہا گیا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کے طنز سے ان سب کو دیکھا جو وہاں مودب کھڑے تھے۔ وہ سب جو تمہیں نہیں نظر آ رہے لیکن سرکار کی نگاہ ان کو دیکھ سکتی تھی۔

''تم؟ تم روکو گے اس کو؟ ہونہہ۔ تم زخمی ہو ابھی۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہاری پاور ٹوٹ چکی ہے۔''

(جب کسی عامل کا جادو ناکام ہوتا ہے تو اکثر وہ اس پہ اور اس کے جنات پہ پلٹ آتا ہے۔ یہ چیز اس کے جنات کو کمزور کر دیتی ہے اور وہ اگلے کئی ماہ کسی پہ جادو کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ انہیں اپنی پاور مجتمع کرنے کے لیے چند ہفتے یا مہینے لگتے ہیں۔ پاور کا لفظ پاکستان اور انڈیا کے جادوگر اپنی روحانی طاقت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔)

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''ماہ بینہ کی بیٹی نے تمہاری پاور توڑ دی تھی۔ ہمیں یہ کام کسی انسان سے کروانا ہوگا۔''

سرکار نے اپنا اسمارٹ فون نکالا اور اسکرین روشن کی۔ اس کا انگوٹھا کانٹیکٹ لسٹ نیچے کرتا گیا۔ وہاں کئی ملکوں کے لوگوں کے نمبران کے شہر کے نام کے ساتھ محفوظ تھے۔ یہ سب اس کے کلائنٹس تھے۔

اس نے استنبول کی لسٹ نکالی۔ کئی ناموں پہ انگلی روکی۔ لیکن پھر نفی میں سر ہلایا۔ بالآخر ایک نام پہ اس کی آنکھیں چمکیں۔

اس نے کال ملائی اور فون کان سے لگایا۔

''مجھے تم سے کام ہے۔'' اس کی آواز سرگوشی جیسے تھی۔

''حکم کریں سرکار۔''

''ایک آدمی کو مارنا ہے۔ لیکن ایکسیڈنٹ سے۔ اسے بچنا نہیں چاہیے۔ اور یہ کام آج ہی ہونا چاہیے۔ اس کا نام ماہر فرید ہے۔ ہم تمہیں اس کی تفصیلات بھیج رہے ہیں۔''

اس نے موبائل رکھا اور مطمئن نگاہوں سے ان سب کو دیکھا جنہیں صرف اس کی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔

''کہا نا' یہ انسان کے کرنے کا کام ہے۔'' طمانیت کی ایک لہر اس کے سارے وجود پہ پھیلتی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ رات اتری تو لان کی بتیاں روشن ہونے لگیں۔ اب کوئی نہیں تھا جو پوچھتا کہ پودوں کو پانی لگایا نہیں۔ یا ہر نماز پہ آواز دے کر کہتا کہ نماز پڑھ لو۔ گھر میں بہت سے لوگ تھے اور پھر بھی خاموشی تھی۔

ماہی بیرونی زینے چڑھتی اوپر آئی تو اسٹوڈیو کے بند دروازے کے پیچھے سے روشنی جھلک رہی تھی۔ اس نے دروازے پہ دستک دی۔ پھر اسے کھولا۔

سامنے مالا فرش پہ بیٹھی تھی۔ اس کے بالوں کا ملگجا سا جوڑا بندھا تھا۔ اور اس کے گرد بہت سے کاغذ بکھرے تھے۔ ماہی تحیر سے یہ سب دیکھتی اندر آئی۔

''معید نے کھانا کھالیا؟'' وہ سر جھکائے ایک کاغذ پہ تیز تیز پنسل پھیر رہی تھی۔

''بچہ نہیں ہے، کھالے گا خود ہی۔'' ماہی کی متعجب نظریں دیواروں کا سفر کر رہی تھیں۔ وہاں بھی چند کاغذ چسپاں تھے۔

''ماں کو اس کے کھانے کی ہمیشہ فکر ہوتی تھی۔ ہمیں بھی کرنی ہے' ماہی۔''

''تم کیا کر رہی ہو؟'' ماہی دائیں بائیں گھوم کے اس سب کو دیکھ رہی تھی۔ ان کاغذوں پہ الفاظ تحریر تھے۔ اس کے خواب۔ خوابوں میں نظر آنے والی علامتیں۔ وہ جیسے گزشتہ چند ماہ میں ہونے والے واقعات کا ایک نقشہ تھا۔ تاریخوں کے ساتھ۔

''میں نقطے ملا رہی ہوں۔'' وہ سر جھکائے کاغذ پہ پنسل رگڑ رہی تھی۔ ''جب آخری دفعہ میں نے اس عامل کا اسکیچ بنانے کی کوشش کی تھی تو اس نے مجھے ڈرایا تھا۔ اور میں ڈر گئی۔ اب نہیں ڈروں گی۔'' وہ بالکل پرسکون تھی۔

ماہی دھیرے سے اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھی۔ کشن کا سہارا لیا۔

''مگر مالا تم کہتی ہو کہ ماں جادو سے نہیں.... '' آواز بھیگ گئی۔

''میری ماں جادو سے نہیں مری۔ ہاں۔ ان کی موت لکھی تھی۔ جیسے قتل ہونے والوں کی لکھی ہوتی ہے۔ لیکن قاتل کو معافی نہیں ملتی۔'' اس نے چہرہ اٹھا کے ماہی کو دیکھا تو اس پہ کچھ ایسا تھا جو اتنے دنوں میں پہلی دفعہ اسے نظر آیا تھا۔ ''اس عامل کے جادوؤں نے میری ماں کو چھے ماہ بہت تکلیف دی ہے۔ مجھے کئی ماہ ہراساں رکھا۔ اب اور نہیں۔''

اس نے دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔

''میں اس عامل کو ڈھونڈوں گی۔ اور اس کو ہائر کرنے والے کو بھی۔ اور پھر میں اس سے اپنی ماں کی ہر تکلیف کا انتقام لوں گی۔''

''لیکن ہم اسے کیسے ڈھونڈیں گے؟ ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔''

''دو باتیں ہم جانتے ہیں۔'' اس نے انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔ ''جب اس نے مہندی کے فنکشن میں مجھ پہ حملہ کیا تھا تو میری گردن سے خون نکلا تھا۔ مجھے اس کے ہاتھ سے کچھ چبھا تھا۔''

''یعنی؟''

''یعنی وہ عامل ایک خاص قسم کی انگوٹھی پہنتا ہے جس کا پتھر نوکیلا ہے اور وہ اسے اندر کی طرف موڑے رکھتا ہے۔ یوں اگر وہ کسی کا گلا دبائے گا تو اس سے خون نکلے گا۔''

''کیا وہ ہاتھ اسی کا تھا؟ کیا معلوم کسی جن کا ہو۔'' ماہی نے کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ انسان کا ہاتھ تھا۔ اس نے جادو کے ذریعے یہ کیسے کیا' مجھے نہیں معلوم۔ لیکن یہ اسی کا ہاتھ تھا۔'' وہ پر یقین تھی۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''اور دوسری بات؟''

مالا نے جواب دینے کے بجائے ایک کاغذ اس کے سامنے کیا۔ ماہی نے حیرت سے اسے تھاما۔ پھر زمین پہ بکھرے دوسرے کاغذوں کو دیکھا۔

ان سب پہ ایک آدمی کے چہرے کے مختلف زاویے بنے تھے۔ دائیں۔ بائیں۔ سامنے سے۔ اس کے سامنے سے بال جھلک رہے تھے اور سر پہ نارنجی رومال بندھا تھا۔ وہ رنگین تصاویر تھیں سو سفید بال صاف واضح تھے۔

''یہ ہے وہ عامل جس نے میری ماں پہ جادو کیا تھا۔ اور مجھے یقین ہے وہ اب بھی میرے پیچھے ہے۔''

ماہی بنا پلک جھپکے ان تصاویر کو دیکھ رہی تھی۔

''پتہ نہیں کیسے کہاں مگر میں نے اسے دیکھ رکھا ہے' ماہی۔''

''میں نے بھی... ''وہ بڑبڑائی۔ مالا چونکی۔ پھر تیزی سے آگے ہوئی۔

''تم اس کو پہچانتی ہو؟''

ماہ بینہ مبین نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بالکل شل تھی۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ ناممکن۔'' ماہی بے یقینی سے کبھی اسکیچ والے آدمی کو دیکھتی' کبھی چہرہ اٹھا کے مالا کو۔

''یہ...''

ماہی کے حلق سے نکلنے والے اگلے الفاظ پہ کشمالہ ایک پیچھے ہٹی۔

ایک جھماکے سے اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ اس شخص کو کیسے جانتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار میں بنی اپارٹمنٹ بلڈنگز کے سامنے لمبی سڑک تھی جس کے پار بوسفورس کا پرسکون کنارہ تھا۔ کارنش پہ فٹ پاتھ بنا تھا جہاں فاصلے فاصلے پہ بنچ رکھے تھے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ کچھ لوگ بینچوں پہ بیٹھے تھے۔ کچھ ساتھ ٹہل رہے تھے۔ کچھ سودے سلف کے شاپر اٹھائے تیز تیز چلتے جا رہے تھے۔

ایسے میں ماہر سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کا ذہن کہیں الجھا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور شیو آج زیادہ ہی بڑھی ہوئی تھی۔

وہ جب سے آفس سے آیا تھا' طبیعت مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اپارٹمنٹ میں گھٹن ہونے لگی تو وہ نیچے آ گیا۔ سامنے کہیں کشتیاں کھڑی تھیں۔ اور کہیں موسیقی گونج رہی تھی۔

دفعتاً وہ رکا۔ موبائل روشن کیا۔ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑنے لگی۔

اس نے مطلوبہ چیٹ کھولی۔ ایک چیٹ جسے وہ کئی دفعہ کھول چکا تھا۔

جسے وہ کئی دفعہ کھول کے بند کر چکا تھا۔

کی پیڈ پہ انگلیاں چلنے لگیں۔ چند الفاظ لکھے۔ پھر مٹا دیے۔ سر جھٹک دیا۔

وہ مالا سے نہیں، ماہ بینہ سے ملنے جا رہا تھا۔ کیا کر لے گی وہ زیادہ سے زیادہ؟ غصہ کرے گی؟ چلائے گی؟ دیکھتے ہیں۔

بڑبڑاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

اس کی اپارٹمنٹ بلڈنگ سڑک کے سامنے تھی۔ سڑک پار کرنے سے پہلے عادتاً دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی کار اس وقت نہیں گزر رہی تھی۔ قریب میں ایک سیاہ رنگ کی ایس یووی کھڑی تھی۔ وہ سڑک پہ آگے بڑھا۔

ایسے ہی ذہن کے کسی خانے میں ایک خیال ابھرا۔ وہ ایک ڈیڑھ میل کی واک کے بعد اپارٹمنٹ واپس آیا تھا۔ یہ ایس یووی کافی دیر سے اس کے قریب نظر آ رہی تھی۔ اس کی لائٹس بجھی ہوئی تھیں۔ لیکن انجن آن تھا۔

اس نے قدم آگے بڑھائے۔ پھر جو ہوا وہ تین سیکنڈ کے اندر اندر ہوا۔

ایک دم سیاہ ایس یووی کے ٹائر چرچرائے۔ وہ پوری رفتار سے آئی۔ ماہر فرید نے گردن اس طرف گھمائی۔ قدموں نے حرکت کی۔ لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ سیاہ کار پوری وقت سے اس سے ٹکرائی۔ اور زن سے آگے نکل گئی۔

آس پاس شور بلند ہوا۔ بہت سے لوگ اس طرف بھاگے جہاں سڑک کنارے ایک آدمی اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ ساتھ اس کا موبائل چکنا چور ہوا پڑا تھا۔ اور خون کا ایک تالاب تھا جو اس کے گرد جمع ہو رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اگلے ماہ آپ مالا کے دوسرے باب ''مکہ'' کی پہلی قسط پڑھ سکیں گے۔)